



حُمود، فاروق، فرزانہ، انپکٹر جنید، آفتاب،
آصف، فرحت، انپکٹر کامران مرزا اور
شوکی بیادرز کی مشترکہ مہرو



غواری سعید

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

یہ دور بھاگھ دوڑ کا دور ہے۔ جسے دیکھو،
بھاگھ رہا ہے۔ بھاگھ چلا جا رہا ہے کرتا
نہیں، تیچھے مرکز کر نہیں دیکھتا۔ دائیں باہیں نہیں
نہیں دیکھتا۔ اور پھر تیچھے بھی نہیں دیکھتا۔ اور
اکھ انہا دھند بھاگھ دوڑ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مالک
کے گھر نہیں جا گتا ہے اور پھر اکھ کا پتا نہیں چلتا
کہ وہ کہاں کم ہو گیا ہے۔

انہا دھند بھاگھ دوڑ کا اگر یہی عالم رہا۔ یہ
نے اگر دوڑوں سے اکھ عذاب کے نیاز رہنا یکھ
یا تو کیا ہو گا، یہ ابھی سچ لیں۔ دوسرے
آپھ سے بالکل بے نیاز ہو جائیں۔ آپ دوڑوں
سے۔ ہر کوئی ہر ایکھ سے بالکل بے پرواہ ہو
جائے گا۔ کہ کسی سے خصوصیں رہ

جانے کے۔ بھر پتا کام نکالنے کے دھنخ ایکھ
دھنخ ہے۔ جو بے دھنخ بھی ہے اور بے دھنخ
بھی۔ ایکھ سے مرض اور صرف نقصانات ہو گا
گے۔ فائدہ نہیں ہو گا۔ اسلام نے تو دوسروں
کا درد دل میں ہونے کو تعلیم دی ہے۔ ایکھ
دوسرے کے حقوق کا درجہ دیا ہے۔ بلکہ دوسروں
کو خود پر ترجیح دینے کا سبق سکھایا ہے۔ ایکھ
دوسرے کا دکھ بانٹنے کے تلقین کے ہے۔ لیکن
اکھ بھاگھ دوڑنے ہم سے یہ تمام احتمالات آہستہ
چھیننے کا عمل شروع کر دیا ہے۔ اکھ عمل نہیں ہے
نے کہ ہوتے آج تک محسوس نہیں کہ۔ اکھ
اضفاف ضرور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ سوچتا ہو گا۔
معاملہ جب انتہا کو پہنچ جانے کا تو کیا ہو گا۔ پھر
اکھ بھتھ جیسا کاٹھ صورت حال سامنے آئے گا،
اُتر قدر بھانکھ کہ ناقابل برداشت ہو گا۔ لیکن
یہ سبھی ہمارا اپنا کیا دھرا ہو گا۔ یہ کلمات تو ہم
نے خود اپنے پاؤں پر مار کی ہو گئے۔ لہذا ابھی
بھی وقت ہے۔ سنبھل جائیں۔ ایکھ دوسرے
کا درد محسوس کرنا شروع کر دیں۔ دوسروں کے کام

تم کو مقبولیت حاصل کر تھے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہو گا کہ مقبولیت کا ایک ریکارڈ قائم کیا تھا، یہ باقاعدہ طرح بھروسہ ثابت ہوتے ہے کہ قریباً آٹھ سال بعد جب تم نے جرال کا منصوبہ دویارہ شائع کیا تو وہ ایک بار پھر فوراً ختم ہو گی۔ اس کے بعد سے ہر چھے ماہ بعد یہ ایک خاص نمبر آپ کو خدمت پیش کرنے کا اور آپ یہ سے ماہ تک خاص نمبر کا انتظار کرنے کے عادی بننے پلے گئے۔ اللہ کا شکر کر یہ سلسلہ جاری رہا مارکھ ہے۔ اس دو افسوس کچھ ضمیم اور کچھ خاص نوعیت کے خاص نمبر بھجو کئے گئے۔ شروع میں یہ سے زیادہ جو خاص نمبر نے شرط حاصل کر کر تھا جزیرے کا سمندر۔ قریباً آٹھ سو صفحات کا یہ خاص نمبر بستہ مقبول ہوا اور بڑی تعداد میں فروخت ہوا اور بعد میں بھی بستور اس کو مانگ جاری رہا۔ اس خاص نمبر کو لکھنے کے ساتھ، یہ میٹھے یہ بھجو کہتا تھا کہ اس سے بڑا خاص نمبر میں نہیں لکھ سکو گا، لیکن پھر میرا اپنا خیالِ عرض غلط کو طرح غلط ثابت ہو گیا۔ ہوا

آنے لگی۔ احسانے سے دور رہنے کے بجائے احسانے کے آٹھ پاسہ رہنا شروع کردیا۔ یہ بمارے سائل کا حل ہے۔ اگر ہم صرف بھاگ دوڑیں کر لے رہے اور اس بھاگ دوڑنے دوسرے کا احسان بالکل ختم کر دیا تو بمارے اپنے بارے بھجو تو دوسرے کا احسان بالکل ختم ہو جائے گا۔ اس وقت سوچیے۔ کیا ہو گا۔ اللہ وہ وقت نہ لائے۔

ابھی پڑ بائیک ہو جائیکھ خاص نمبر کو۔ ایک بار پھر خاص نمبر آپ کو خدمت پیش کر دیا گی۔ ہر چھے ماہ بعد آپ کو خدمت پیش کر دیا گی۔ تازہ خاص نمبر پیش کرنا ابھی میرا معمول بھر چکا ہے اور آپ کا معمول پلے خاص نمبر کا انتظار کرنا اور پھر پڑھنا بھر چکا ہے۔ مطلب یہ کہ معمول اپنا اپنا۔

یہ احسانیوں خاص نمبر ہے۔ گویا اس معمول کو بھجو کئے سالہ گزر پکے ہیں۔ سب سے پہلا خاص نمبر جو میٹھے اپنے ادارے سے شائع کیا، جرال کا منصوبہ تھا۔ اس خاص نمبر نے کچھ خاص

سانتے آتھ ہے کہ اب اس قدر ضخم ناول کو طرح
بلصکے گا۔ کوئی خریدے گا۔ اور یہ کچھ بھی
کوئی گایا نہیں۔ یونکہ ستری چڑھ جودہ سو
صفحات کا تھا اور ہم نے اس کو قیمتہ اس وقت
چونٹھ روپے رکھے تھے، جو کہ مارکیٹ کے مطابق
بھرخ زیادہ تھے۔ اب جبکہ کامگذ کے نرخ
اس سے بھی بڑھ پکے ہیں۔ بلکہ قریباً دو گناہ ہو
چکے ہیں۔ تو اگر میرے نے ستری چڑھ سے بڑا
کوئی ناول کو کھڑالا تو اس کو قیمتہ تو ایک سو
ٹھائیس روپے سے بھی کچھ زیادہ رکھنا پڑے گے۔
لکن تجھے اس ناول کو خرید سکتے گے۔ لیکن
بوج کر میں فوراً کاونڈ کو ہاتھ لگا دیتا ہوں۔
اس دور میں یہ وجہ ہے کہ میں ہر چھے ماہ
بعد فریباً ساتھ ہو صفحات کا ایک خاص نمبر تو اس
کو خداوندی میں پیش کرتا دیتا ہوں۔
اغر کوئی لکھ کر فارغ ہو چکا تو خیال آیا
کہ اس خاص نمبر کا تو ابھی تکہ میں کوئی نام
بھی تجویز نہیں کر سکا۔ ابھی لگا ذہن پر زور
دینے۔ یعنی کوئی مناسب نام ذہن میں نہ آیا۔

یہ کہ میں ستری چڑھ جودہ سو صفحات کا لکھ گی۔
اور یہ ایک عالمی ریکارڈ بھی بڑھ گی۔ دنیا کے
کچھ بھی مصنفوں نے ایک جلد میں آج تک بچوں
کا اتنا ضخم ناول نہیں لکھا۔
خاصہ نوعیت کے ناولوں میں بالآخر قیامتہ،
غادر کا کنواہ اور سمندر کا دروازہ زیادہ ایمیٹھی۔ یہ بھی
بسی مقبول ہوتے اور مارکیٹ سے فروٹ فائیڈر ہو
گئے۔ آج بھی ارض کے مانگ بائیں ہے۔ اور
الف شار اللہ یہ دوبارہ شائع ہو گئے۔

خاصہ نمبر وہ کہ یہ ساری تفصیل میں نے
میرا کوئی خاصہ مقدمہ نہیں۔ بھی یونھ دو بائیں
لکھن بیٹھا تو اس طور یہ شروع ہو گیتھ۔ لیکن
ایک صباۃ ضرور عرض کرنا پسند کر دھگا۔ یاد لوگ
اکثر بھی سے مطالیہ کرتے رہتے ہیں کہ میں ستری
چڑھ سے بھی بڑا کوئی خاصہ نمبر لکھوں۔
جس سمجھی تھی اس بارے میں ہو چکا ہوں تو
پہلے باقی تھی ہوتی ہے کہ مجھے بسی زور سے
جرجھڑ آجائی ہے، دوسرا بھی باقی ہوتی ہے کہ
میں کانپ کانپ جاتا ہوں۔ اور تیسرا باقی ہے کہ

پائیں گے۔ اس سوال کا جواب صرف
 وہ دے سکے گا جو کے پاس عقل نام
 کھ کوئی چیز نہیں ہوگی۔ آپ کہیں
 مکرات نہیں دہے۔ میں ذائقہ کے مود
 میں نہیں ہوں۔ ذائقہ کے مود میں ہوتا
 تو یہ باتیں آپ کو مراجعہ ضرور نظر آتیں۔
 لیکن آپ کو ارض دو باتیں کے دوران
 شاید، اسیکھ آدھ باد مکرانا پڑتا ہو گا۔
 وہ بھی آپ بھوتے سے سکا دیے۔ یا
 بخوبی سے۔ یہ مکرانا۔ بھی کوئی مکرانے
 میں مکرانا ہوا۔ بھی کھل کر مکاریں تو
 نہ ہے۔ آپ کو چاہیے، میں دو
 باتیں تھیں، یہ بود کیونہ نہ تکھوڑ۔
 خصوص قسم کے بود نہ تکھوڑ۔ بڑے آپ
 مکراتے چلے جاتا کریں۔ کوئی آپ کو بخوبی
 تو نہیں کہے گا۔

بیجی۔ باقہ کیا، وہ کوئی تھی اور میں کیا
 لے بیٹھا۔ بھی میں بھی یہ بڑے باقہ
 ہے۔ باقہ کچھ بود کوئی ہوتا ہے اور میں

پھر اپانکھ ہو۔ اخوا کے ملکہ ذہن فیض ہے آگی۔
 اور جبکہ اس نادل کے جھلکیاں لکھنے بیٹھا تو
 ذہن فیض آیا کہ قاریبین سے یہ کوئے
 نہ پوچھا جائے کہ اس نادل میں اخوا کے
 ملکہ کوئی تھے؟ ساتھ میں اس سوال پر
 ایک ہزار روپے انعام دینے کا ٹھہر جاتا۔
 لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ العادہ سلسلہ
 پھر سے شروع کر رہا ہو۔ جھنپسہ۔
 پریشان ہونے کے ضرور تھے۔ میں انعام
 سلسلہ پھر سے شروع کر کے آپ کے الجھنون
 میں اضافہ نہیں کر دے گا۔ یہ تو ایک اتفاقی
 انعام تھا جو مفرد کر بیٹھا۔ ذرا شغل
 رہے گا۔ ویسے میرا خیال ہے،
 آپ اس سوال کا جواب نہیں دے
 پائیں گے۔ یہ بات نہیں کہ میرے قاریبین
 عقل مند نہیں ہیں۔ لیکن اس سوال کا
 جواب دینے کے لیے دراصل عقل کے
 ضرور تھے، اسی نہیں۔ اور ایک بیٹھے میں
 یہ کہ رہا ہو کہ آپ جواب نہیں دے

لے کچھ اور بیٹھتا ہوا۔ - چلتے چلتے آپ سے ایک درخواست ہے۔ - امید تو ہے کہ آپ کو یہ خاص نمبر پسند کر جائے گا، لیکن اگر اتفاق سے باقاعدہ رکھنے کے لیے پسند کر آپ میرا دل رکھنے کے لیے پسند کر لیجئے گا۔ - آخر میں بھی تو آپ کا دل رکھنے کے لیے ناول پر ناول لکھتا چلا جاوے ہوا۔ - اگر معاملہ آپ کا دل رکھنے کا نہ ہوتا تو شاید یہ اس باقاعدہ سے ناول نہ کھسکتا۔

میرا خیال ہے۔ - خاص نمبر کو دو باقیہ اس حد تک اور پانچ ہو چکے ہیں کہ اب اس کا سلسلہ بند ہو کر دینا چاہیے۔ لیکن آپ ناول پڑھنے سے پہلے اس حد تک بور نہ ہو جائیں کہ ناول میں بھی قطعاً کوئی دلچسپی نہ ہے سکتی۔ - یہ باقاعدہ میرے لیے بالکل ناقابل برداشت ہو گئی۔ - ناقابل برداشت باقاعدہ یہ کہیں بہتر ہے کہ میں دو باقیہ یعنی ختم کر دوں، اس دعا کے ساتھ کہ یا اللہ یہ خاص نمبر آپ سے کوئی بحث نہ

پسند آ جائے اور آپ بالکل ناکہ بخوبی چڑھا سکیں اور نہ ناپسندیدگی کے لمبے پڑھنے خط مجھے مل سکیں۔ - بلکہ پیارے پیارے پسندیدگی کے خط خوب جو بھر تر لکھیں، میں انھیں بخوبی اور بخوبی میں جامد نہ سماوں۔ - اور ہم غلط کہہ گیا۔ جامد نہ سماوں۔ - آئیں۔ - تم آئیں! اکثر قادریت سوال کرتے ہیں۔ - خط لکھ کر۔ - فرض کر کے یا خود آ کر کہ آخر آپ نے چاند تارے "یکوں بند کر دیا؟ پچھے کھو دیا؟ دو باقیہ اور تیسرا جواب ہے۔

"ہم نے چاند تارے بند نہیں کیا۔ چاند تارے نے بھی بند کر دیا ہے۔"

الریز جابکہ نہ آئے تو کھو سے اس جواب کا ترجیح کر رکھیے کہ یہ بھی کام نہ چلتے تو مجھے ایک عدد خط لکھ دیجئے گا۔ - یہ خود ترجیح کرنے کے کوشش کروں گا۔ اگرچہ امید یوں ہے کہ کامیاب نہیں ہو سکوں گا۔

شکریہ:

کیس آرہا ہے

”تمھیں معلوم ہے، ہم نے دو ماہ سے بھلی کابل جمع نہیں کرایا۔“ شوکی نے تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہمیں تو یہ بھی معلوم ہے کہ ٹیلی فون کابل بھی دو ماہ سے جمع نہیں کرایا گیا۔“ افتاب مسکرا یا۔

”خبردار کابل بھی ادا نہیں کیا جاسکا۔“ اخلاق بولا۔

”تو دھوپی کابل ہی کون سا ادا ہو گیا ہے؟“ اشFAQ نے

منہ بنایا۔

اور فضل دین سٹور والے کابل تین ہزار روپے سے اوپر بن چکا تھا، اس نے الٹی میٹم دے دیا ہے کہ اب جب تک پہلے پیسے ہم ادا نہیں کریں گے، وہ ہمیں مزید ادھار سودا نہیں دے سکا۔“ شوکی جلدی جلدی بولا۔

”یہ اس کی عین شرافت ہے۔“

”جی شرافت - وہ کیسے؟ اخلاق کے لمحے میں جیرت تھی۔“

”بھی شرافت کا کیا ہے، کسی بھی طرح ہو سکتی ہے۔“
آفتاب فوراً بولا۔

”بے دھنگی باتیں نہیں، میں بہت سمجھیدہ ہوں۔ آخر جم
یہ تمام قرضہ جات کس طرح ادا کریں گے۔“ شوکی نے اے
گھورتے ہوتے کہا۔

”ایک عدد کیس حل کر کے۔ لیکن کیس ہم سے ہو گئے
ہیں نادرض۔“ اشفاق نے کہا۔

”ان بے چارے کیسوں کا بھی کیا قصور۔ ہم کون سا
ان سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔“ اخلاق بولا۔

”اب ملے گا تو بہت خاطر تواضع کریں گے۔“ آفتاب
نے خوش ہو کر کہا، جیسے مل رہی تو گیا ہو۔

”کی کریں گے۔ خاطر تواضع۔ اور کیس کی۔ دماغ تو
نہیں چل گیا۔“ شوکی نے انکھیں نکالیں۔

”ان حالات میں یہ انوکھی بات نہیں۔“

”کون اسی بات انوکھی نہیں؟“ اشفاق نے جیران ہو
کر پوچھا۔

”دماغ چل جانے والی بات۔“

”معلوم ہو گیا۔ ہم صرف بے تکی باتوں سے اپنا پیٹ
بھری گے آج۔ یونکہ گھر میں تو راشن پانی ختم ہے۔ اور

کوئی ادھار دینے کو تیار نہیں۔ کسی کے آگے لا تھر ہم پھیلانا
جانستے نہیں، تکسی دوست سے قرض لیتے ہوئے ہمیں آتی
ہے شرم۔ چائیں تو جائیں کہاں؟“

”ولا۔ جہاں ایک عدد کیس ہمارا انتظار کر رہا ہے۔“
اخلاق نے ٹھنڈانے کے انداز میں کہا۔

”وہ۔ دیکھیں۔ کیس آ رہا ہے۔“ اشفاق نے پُر جوش
انداز میں کہا۔

انھوں نے دفتر کے باہر نظری دوڑائیں۔ ایک زرد
رنگ کی یہڑی سی کار دفتر کے سامنے رکی تھی اور پھر
انھوں نے اس میں سے دو نوجوان آدمیوں کو اترتے دیکھا،
اور جب وہ ان کی طرف بڑھے تو ان کے دل زور زور
سے جھوٹنے لگے۔

”شوکی برا درز؟“ ان میں سے ایک نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”جی ہاں۔ بمالک۔“ شوکی نے فوراً کہا۔

”وہ اندر ہم گئے۔ سامنے والی کریسوں پر بیٹھ گئے۔
اپ لوگ کیا کرتے ہیں؟“ ایک بولا۔ لمحہ عجیب
ساتھا۔

”کم از کم گھاس نہیں بیچتے۔“
اور ہم گھاس ہی خریدتے ہیں۔“

"تب تو آپ کو مایوسی ہو گی جناب - آپ کو گھاس منڈی جانا پڑے گا، لیکن وہ زیادہ دُور نہیں ہے۔" گھاس ہمارے لیے آپ خرید کر لائیں گے۔" "ہم نے ایسا کام ہرگز نہیں کیا۔ دیسے کیا آپ مذاق کے موڑ میں ہیں؟" "نہیں تو۔ یہ آپ نے کیسے اندازہ لکھایا؟" آپ گھاس خریدنے کی بات کر رہے ہیں نا۔" "اگر آپ ہمارا کام نہیں کرنا چاہتے تو ہم یہ کام کسی اور سراغ رسال ادارے سے لے لیں گے۔ ادو بہت ہیں۔"

"ہم نے انکار کب کیا ہے۔ آپ کام بھی تو بتائیں۔" شوکی نے جلدی سے کہا۔

" بتایا تو ہے۔ ہم گھاس خریدنا چاہتے ہیں۔" تو پھر اس کے لیے آپ کو ہماری مدد کی کیا ضرورت ہے۔ گھاس تو منڈی سے عام مل جاتی ہے۔"

"ہم آپ کے ذریعے خریدنا چاہتے ہیں۔ آپ یہ کام کر سکتے ہیں یا نہیں؟" "نہیں؛ ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔ ہم جاسوس ہیں، لھسیار نہیں۔ شوکی نے جملہ کر کہا۔"

"اور اگر ہم آپ کو ایک لاکھ روپے دیں اس کام کے۔" ایک نے کہا۔

"کی کہا۔ ایک لاکھ روپے؟ آفتاب دھک سے رہ گیا۔" "ہاں؟ ایک لاکھ روپے؟"

"اور وہ بھی گھاس خرید کر دینے کے؟" "ہاں؟ گھاس خرید کر دینے کے" دوسرے نے آنکھیں بکال کر کہا۔

"تب ہم یہ کہیں گے کہ آپ حضرات درست دماغوں کے مالک نہیں ہیں؟"

"ہمارے دماغوں میں کوئی خلل نہیں ہے۔ اب تینے تفصیل۔ وہ گھاس سیٹھ روگڑ والا کے کھیت میں الگ ہوئی ہے۔ اس کا کھیت بہت بڑا ہے۔ یہ ہر سال اس میں صرف گھاس اگاتا ہے۔ اس کی گھاس ماحشوں ہاتھ بک جاتی ہے۔ اس گھاس کی وجہ سے یہ کروڑ پتی بن چکا ہے۔ کمزما پچھ نہیں پڑتا۔ بس گھاس سال میں ایک بار بو دیتا ہے۔ اور جب بڑی ہو جاتی ہے تو کاٹ کر بیچ دیتا ہے۔ گھاس بڑی ہوتی رہتی ہے، بکتی رہتی ہے۔ اس طرح اس کی گھاس سال میں کوئی سو بار بکتی ہے۔"

"پھر بھی۔ وہ آخر اس طرح کروڑ پتی کس طرح ہو گیا ہے؟"

"اس کی گھاس میں نہ جانے کیا بات ہے۔ جو ہو یشی کھاتا ہے۔ بہت طاقت ور رہتا ہے، بے تحاش دودھ دینے لگتا ہے، بار برداری کے کام بھی۔ بہت چستی سے ترے لگتا ہے۔ ہماری اس سے دور بھاگ جاتی ہے۔ لہذا شہر میں سیٹھ روگڑ دالا کی گھاس بہت مشورہ ہے۔"

"تب پھر۔ آپ ہمارے پاس کیوں آتے ہیں؟"

"ہم دراصل گھاس کا نہیں۔ گھاس کے کھیت کا سودا کرنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ! تو پھر آپ خود اس کے پاس کیوں نہیں چلے گئے۔ شوکی چونکا۔"

"وہ ہمارے لائقہ کھیت فروخت نہیں کرے گا۔ آپ لوگ اس کے پاس کھیت کے ٹھاٹک بن کر جائیں اور اس سے کھیت کا سودا کر لیں۔ اگلے دن ہم رقم ادا کر دیں گے، آپ جا کر اس کھیت کی رجسٹری کروائیں گے، اس کے بعد ہم آپ سے اسی رقم میں وہ زمین خرید لیں گے۔ اور اس سارے کام کا معاوضہ ہم آپ کو ایک

لاکھ روپے دیں گے۔"

"یکن یکوں۔ آپ یہ کام چند ہزار روپے دے کر کسی بھی وکیل کے ذریعے کر سکتے ہیں۔"

"آپ وکیلوں کو نہیں جانتے۔ فرض کیا، ہم یہ کام ایک وکیل کے ذریعے یلتے ہیں، وکیل زمین اپنے نام سے خرید لیتا ہے اور اس کے بعد ہمیں دینے سے انکار کر دیتا ہے تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟"

"آپ پہلے اس سے تحریری معاهدہ کر لیں۔"

"نہیں! ہم وکیلوں کے چکر میں نہیں پڑیں گے۔ آپ اگر یہ کام نہیں کرنا چاہتے تو ہم کسی افادہ ادارے کی خدمات حاصل کر لیں گے۔ اب آپ اپنا فیصلہ ہمیں بتا دیں۔"

شوکی نے لامخ لیں۔ ان میں سے ایک نے سخاوت کا ثبوت دیا۔

"اوہ بھی۔ ذرا اندر چل کر مشورہ کر لیں۔"

چاروں اٹھے، اندر ورنی دروازہ کھولا تو ان کی والدہ دروازے سے لگی کھڑی تھیں۔ انہوں نے دروازہ بند کر دیا تو وہ بولیں:

” یہ کس لمحے سے نہ جانے دینا شوکی ۔ ہمیں پیسوں کر ہمارے ہاں نوبت فاقول تک پہنچ گئی ہے ۔ ”

کی شدید ضرورت ہے ۔ ”

” اللہ روزی رسال ہے ۔ جائز راستے سے روزی مل

جائے گی، ان شاء اللہ ۔ ”

” لیکن ابھی یہ فیصلہ کب ہوا ہے کہ یہ آمد فی ناجائز ہو گی ۔ اگر معاملہ اتنا ہی ہے ۔ جتنا کہ انھوں نے بتایا ہے ۔ تب تو کوئی بات نہیں ۔ ”

” یہ معلوم کیسے ہو؟ ”

” بس تو پھر ۔ یہ کیسے ہمیں یتنا ہی ہو گا ۔ تبھی ہم اس معاملے کی تسلیک بھی پہنچ سکیں گے ۔ ”

” خیر وہ تو ہم معاملے سے الگ رہ کر اور ان کی نگرانی کر کے بھی پہنچ سکتے ہیں ۔ ”

” ضروری نہیں ۔ کیونکہ نگرانی کرنے والے اندر تک تو پہنچ نہیں جاتے ۔ ”

” اپھی بات ہے شوکی ۔ تم ان سے معاملہ طے کر لو ۔ ”

شاق احمد خان بولے ۔ ”

” آپ ناراض ہونہیں ہوں گے ۔ ”

” نہیں ۔ بالکل نہیں ۔ ”

” اچھا اتنی جان ۔ آپ بھی ہمارے لیے دھا کریں ۔ ”

” ضرور کیوں نہیں ۔ لیکن اس ایک لاکھ میں سے پچاس ہزار

” ہم جانتے ہیں اتنی جان ۔ ”

” اور دوسری بات یہ کہ جب تک تم مجھ سے مشورہ نہ کر

لو ۔ زمین انھیں نہ دوٹانا ۔ ”

” جی ۔ یہ کیا بات ہوئی؟ ”

” بس بات ہوئی یا نہیں ۔ میں نے تم سے کہ دیا ہے ۔ ”

” اپھی بات ہے ۔ اب ذرا ہم آپس میں بھی تو مشورہ

کر لیں ۔ ” شوکی نے کہا ۔ ”

” بس ہو گیا مشورہ ۔ تم لوگ یہ کیسی کرو گے ۔ ” انھوں

نے آنکھیں نکالیں ۔ ”

” کیا بات ہے شوکی؟ ان کے والد کی آواز سنائی دی،

نظری اٹھائیں تو وہ چلے آ رہے تھے ۔ ”

انھوں نے جلدی جلدی اپنے والد کو بھی ساری بات

بتائی، وہ سُن کر پریشان ہو گئے ۔ ”

” مجھے تو کوئی چکر معلوم ہوتا ہے ۔ کیسے تم اس چکر کی

لپیٹ میں نہ آ جاؤ؟ ”

” اور پہلے یہ کب چکروں کی پیٹیوں میں نہیں آتے ۔ ”

جو آج آپ انھیں روک رہے ہیں ۔ یہ جانتے ہوئے بھی

تم میرے پاس جمع کراؤ گے؟"

"جی بہت بہتر۔ آپ فرمائیں گی تو ہم ایک لاکھ ہی خیر۔ آپ اپنا پتا لکھوادیں۔ آپ کے پاس جمع کر دیں گے۔ لیکن قرضہ جات جو ادا کیا یہ ضروری ہے؟"

"ہاں نام اور پتا درست ہو۔ ورنہ ہم کیس نہیں لیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ دولت ہمیں آپ سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔" اچھی بات ہے۔ نوٹ کر لیں۔ البروفی سٹریٹ، مکان نمبر ۳۶۲۔ رو جرنے کما۔

میں نے اسی لیے پچاس ہزار کی بات کی ہے۔ "آپ نے اسی لیے پچاس ہزار کی بات کی ہے؟" "آپ فکر نہ کریں۔ دولت ہمیں آپ سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔" اب وہ دفتر میں آئے۔ دونوں سخنان کی طرف دیکھا:

"کیا فیصلہ ہوا؟"

"ہم آپ کا کیس کریں گے۔ آپ اپنے نام اور پتے میں؟" "آپ کیا کرو رہے ہیں؟" "فون کر رہا ہوں۔ تصدیق کریں گے۔ کہ آپ کا پتا واقعی لکھوادیں۔"

"ہم دونوں سکے بھائی ہیں۔ ایک ہی جگہ رہتے ہیں۔ یہ ہے یاد ہے؟" "یرانام شور ہے اور یہ رو جر ہے۔"

"اوہ۔ بہت محتاط ہیں آپ لوگ۔" "جا سوں گوں کو محتاط ہونا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ یاد لوگ تو ان پر بھی لاتھ صاف کر جائیں۔ آفات مسکایا۔"

"ہاں! آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہے کیا؟" "نہیں، اعتراض کیوں ہونے لگا۔ لیکن غیر مسلموں کے کام کر کے ہمیں مزا نہیں آتا۔"

پوچھا گیا:

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ کو مزا آتا ہے۔" "جی فرمائیے، آپ کو کس سے ملا ہے؟"

"مستر شوبر یا مستر رو جر سے؟"

"ذہ اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔"

"شکریہ؟ اس نے یہ کر ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف "نہیں اے آپ فون پر کوئی بات نہیں کریں گے۔ ہم

مُلتے ہوئے بولا:

"اس بات کی تصدیق تو ہو گئی کہ یہ فون نمبر آپ کا،" اچھی بات ہے۔ ہمیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" ہے اور آپ اسی پتے پر رہتے ہیں۔ اب آپ پچاڑ اور چھروہ اٹھ کر چلے گئے۔

ہزار روپے ایڈوانس فیس دے دیں۔ تاکہ ہم کام شروع ہم پہلے تو ان نوٹوں کو چیک کرائیں گے، پھر ان میں کر سکیں۔" سے پچاس یا ہزار اتنی جان کو دیں گے۔"

"ضرور کیوں نہیں؟" شوبر نے کہا اور ہاتھ میں تھاما، "تینک ہم ابھی کس طرح دے سکتے ہیں۔ جب تک کہ بیگ کھول کر ہزار روپے کے نوٹوں والی گڈی میں سخن کا کام نہیں کر دیتے۔"

نصف نکال کر ان کی طرف بڑھا دیئے۔

"میں تو کہتا ہوں۔ انھیں لاکھ، ہی دے دیں۔ ہمیں روپے بنک میں جمع کرایتے ہیں۔ بنک والے خود ہی ان کی ایمان داری میں کوئی شک نہیں ہے۔ رو جرنے کو نوٹوں کو چیک کر لیں گے۔ صاف ظاہر ہے۔ اگر وہ

"اچھی بات ہے۔ آپ یہ ایک لاکھ ہی رکھ لیں۔" بھلی ہیں تو وہ کیوں لینے لگے؟"

"ٹھیک ہے۔ ہماری ایک شرط اور ہے۔" شوکی نے کہا۔ "اوہ اسی وقت تک پہنچے۔ شام کی شفٹ والا بنک ہا۔ اس لیے وہاں کام ہو رہا تھا۔ شوکی کو دیکھ کر بنک

"اوہ وہ کیا؟"

"اگر یہ نوٹ جعلی ہوئے تو ہم آپ کا کیس کرنے کے بخوبی مکمل کیا۔" میں اس خیال میں تھا کہ شاید آپ لوگوں نے کہیں پابند نہیں ہوں گے؟

"باکل ٹھیک۔"

وراکاڈنٹ کھول لیا ہے۔

”ایسی نات نہیں۔ آپ کی شاخ ہم نہیں پھوڑ سکتے۔“ ”شوا“ ہم بھی کاروباری لوگ ہیں۔

مکارا اور نیلوں کا سیکھ اس کے سامنے رکھ دیا:

"یہلے ان نوٹوں کو اچھی طرح چیک کر لیں۔ بلکہ کس "آپ نے ٹھیک کہا بڑے بھائی۔ یہکن گھیارے تو

بہ سے بھی حک کروالیں۔ کہیں یہ جعلی تو نہیں ہیں۔ یہ صاحب بھی ہیں۔

"نہیں۔ کسی سے چیک کروائیے کی ضرورت نہیں۔ یہ بیکی کہا۔ سینٹھ صاحب اور گھیارے۔ دماغ تو نہیں بالکل اصل نوٹ ہیں۔ میسخر نے کہا۔

باص اُسی بوت ہیں۔ یہ بھرے ہیں۔
”ایچھی بات ہے۔ تو پھر یہ، سمارے اکاؤنٹ میں بھر۔“ یکوں کیا بات ہے۔ کیا ان کا گھاس کا کھیت
میں ہے؟“ کر لیں۔“

نوت جمع کرنے کے بعد وہ باہر نکل آئے اور ایک یہ آپ سے کس نے کہ دیا۔ اس کے لمحے میں غصہ میکسی میں بیٹھ کر سیٹھ روگڑ والا کی کوٹھنی کی طرف دوامیاں تھا۔
تو سیٹھ صاحب کا گھاٹ کا کھیت نہیں ہے۔

اور کہا تھا کہ والی بچے اس کی کوٹھی کی طرف اشارہ کر کھا گئے، ہوشاید۔

دے گا۔ ہوا بھی ایسا، سی۔ میٹھے روگڑ والا کی کوئی تما۔ پپ پیتا نہیں۔ میٹھے صاحب کیا کارڈ بار کرتے ہیں؟

پہنچنے میں انھیں کوئی دقت نہ پڑی۔ توکی نے دروازہ "ان کی نوامت بڑی مل ہے۔"
بہت رڑپا ہے اسکے نیک سالانہ ۱۰ لکھ روپے۔ اور کھجت بھی ۳۰ لکھ روپے۔

لی حصی بجائی - جلدی ہی ایک مارچ پاہر تھا:
”پارچی کی بارت سے“ اس کا لمحہ اکھڑ تھا۔

”ہمیں یعنی روگڑ والا صاحب سے ملتا ہے۔“
ملٹ جگہ پر آگئے۔ اس نے کہا۔

"وہ اس وقت بہت مصروف ہیں۔ کچھ کاروباری "ایسی کوتی بات ہیں۔ ہمیں یہی نام اور پتا بتایا گیا تھا۔ آس سطح پر کاکلہ ہے"

آئے ہوئے ہیں۔ اب تو یہ صاحب سے یا کام ہے؟

"کام۔ کام۔ کام۔ آفتاب اٹکنے لگا۔

"ہال کام۔ میں نے کام کی گردان کرنے کے لیے نہیں کہا۔" ملازم نے جھلک کر کہا۔

"کام ہم انھی کو بتا سکتے ہیں۔"

"تب پھر وہ بہت مصروف ہیں۔ آپ پھر کسی وقت آئیں۔"

"کس وقت۔ یہ بھی تو بتا دیں۔"

"دو گھنٹے بعد۔ یا پھر کل شام کو۔"

"شکریہ دوست! ہم دو گھنٹے بعد آئیں گے۔ یہ ہمارا کارڈ انھیں دے دیجیے گا۔ ان سے یہ بھی کہ دینا کہ ملاقاتانہ بہت ضروری ہے۔ نقصان کی ذمے داری آپ پر ہو۔ اگر یہ ملاقات نہ ہوتی اور سیٹھ صاحب کو کوئی بڑا نقصان ہو گیا تو۔"

"کیا مطلب؟"

"سیٹھ صاحب کا ایک بہت بڑا نقصان ہونے والا ہے۔ شوکی نے کہا۔

اندازہ لگایا کہ سیٹھ صاحب کا کوئی نقصان ہونے والا ہے۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ شوبر اور دو جو سیٹھ کے خلاف کوئی کام کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس طرح سیٹھ کا نقصان ہو گا۔ یہ میرا احساس ہے۔ جو بالکل غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"اللہ مالک ہے۔ آفتاب نے منہ بنایا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ چکر شروع ہو گیا ہے۔ شوبر اور دو جو سیٹھ کی اصل بات تو غلط ثابت ہو گئی ہے۔ اشفاق نے جلدی جلدی کہا۔"

"لیکن پھر انھوں نے، میں ایک لاکھ روپے کیوں دیے ہیں۔" شوکی بولا۔

"پتا نہیں۔ مجھے تو ابھی سے چکر آتے محسوس ہو رہے ہیں۔" اشفاق نے منہ بنایا۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور ملازم باہر نکلا۔

"سیٹھ صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اوہ! اچھا۔"

وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ ملازم انھیں ایک کارڈ دیتا ہوں۔" اس نے گھرا کر کہا اور اندر کی طرف دوڑ گئے کر کے تک لایا۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور انھیں اندر "یہ آپ نے اس سے کیا کہ دیا۔ آپ نے کس طریقے میں کام کیا۔ اس کا اشارہ کیا۔ اندر داخل ہوتے ہی انھوں

نے دیکھا۔ اندر صرف ایک آدمی تھا۔ ایک ادھیر عمر کا آدمی۔ وہ اپنی مہری پر نیم روز تھا:

”آپ سیدھے روگڑ والا ہیں؟“

”ہاں! باکل۔ اور تم شوکی بجوارڈ ہو۔ میں نے تمھارا کافی نام سنا ہے۔ بہت اپھے لوگ ہوتے۔ لیکن مجھ سے کیا کام ہے۔ میں یہ سوچ سوچ کر جیران ہو رہا ہوں۔“

”جیران تو خیر ہم بھی ہو رہے ہیں۔“ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

”کس بات پر؟“

”ہم نہیں جانتے۔ کس بات پر جیران ہو رہے ہیں۔“ شوکی بولا۔

”یہ کیا بات ہوتی؟“

”ہم ابھی وضاحت کر دیتے ہیں۔ پہلے آپ یہ بتائیں۔ آپ کے گھاس کے کھیت کا کیا حال ہے؟“

”کیا مطلب۔ گھاس کے کھیت کا۔ یہ گھاس کا کھیت میرے پاس کھاں سے آگیا۔“

”تو آپ کا کوئی گھاس کا کھیت نہیں ہے؟“

”باکل نہیں۔“ اس نے فوراً کہا۔

”کیا اس شہر میں کوئی اور سیدھے روگڑ والا بھی ہے؟“

”باکل نہیں۔ پورے شہر میں یہ نام صرف میرا ہے۔“
اس نے کہا۔

”عجیب بات ہے۔“

”یہکن کون سی بات عجیب ہے۔ یہ بھی تو معلوم ہو۔“
”اب کیا کریں بھی۔“ شوکی نے بے بسی کے عالم میں ان کی طرف دیکھا۔

”ساری بات انھیں بتا دیتے ہیں۔“ اشFAQ بولا۔
”ہاں! یہ صحیح رہے گا۔“

اور شوکی نے شوبر اور دو جر کی آمد سے لے کر ان کے پاس آنے تک کی ساری کہانی اسے سنا دی۔ اس کے خاموش ہونے پر اس نے کہا:

”حررت ہے۔ میرے پاس تو کبھی بھی گھاس کا کوئی کھیت نہیں رہا۔ میں تو ایک مل کا مالک ہوں۔ اور بس۔“
”ہم اپنی کہانی سننا پچکے۔ اب ہم اجازت چاہیں گے، اس میں نہ آپ کا قصور ہے، نہ ہمارا۔ اب تو ان کا فون آنے پر ہی بات واضح ہو گی۔“

”آپ خود انھیں فون کیوں نہیں کرتے۔“ سیدھے نے کہا۔
”انھوں نے منع کیا ہے۔“
”لیکن اب صورتِ حال اور ہے۔“

"ہوں ٹھیک ہے۔ تب پھر ہم یہاں سے فون کر لیتے ہیں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔ میں بہت الجھن محسوس کر رہا ہوں۔" شوکی نے وہ نمبر لگھانے۔ جو شوبر اور رو جرنے تباہ تھے۔ جلد ہی جواب ملا:

"فرمائیے۔ آپ کو کس سے ملا ہے؟"
"جی رو جر اور شوبر سے۔"

"کون رو جر اور شوبر۔ یہ ایک ٹیلرنگ کی دکان کا نمبر ہے۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔"

"کیا مطلب۔ کیا یہاں رو جر اور شوبر نہیں رہتے۔"

"ہرگز نہیں۔"

"لیکن پچھے دیر پہلے ہم نے انھی نمبروں پر دنگ کر کے ان کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ نے کہا تھا کہ وہ گھر پر نہیں، میں۔"

"ہاں! میں نے یہ جملہ ضرور کہا تھا۔ اور اتنے سے کام کے مجھے پانچ سوروپے دیے گئے تھے۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

"تیکا کہا؟ شوکی حیران رہ گی۔"

"ایک صاحب میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے

کہا تھا کہ ایک آدھ گھنٹے بعد اگر کوئی شخص فون پر بُجھ سے یہ پوچھے۔ کہ شوبر اور رو جر یہاں رہتے ہیں تو آپ جواب میں کہا دیجیے گا کہ وہ اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔ اس کام کے وہ بُجھے پانچ سوروپے دینے کو تیار ہے۔ بھلا میں کیوں پانچ سوروپے لاتھ سے جانے دیتا۔ میں نے روپے لے لیے اور جب فون آیا تو وہ جملہ کہ دیا۔"

"اوہ!" شوکی دھک سے رہ گیا، پھر اس نے رسیور رکھ دیا۔

اس نے یہ بات بھی سیٹھ رو گڑ والا کو سنادی۔
"یہ تو بہت بسی عجیب بات ہو گئی۔ مجھے خوف سا ٹھوں ہوا رہا ہے۔ ضرور کوئی کسی چکر میں ہے۔ آپ اگر پتند کریں تو میرے لیے اس معاملے کی تحقیقات کریں، میں بھی آپ کو معاوضہ دوں گا۔"

"اوہ!" رو جر ان ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یا تو کیس مل ہی نہیں رہا تھا۔ یا دو گھنٹے کے اندر دوسری کیس مل رہا تھا۔ شوکی نے فوراً کہا:

"ہم آپ کے لیے کام کریں گے، لیکن ان کی فیس لوٹانے کے بعد۔"

کیا مطلب؟

"جب تک ان کے پیسے، ہمارے پاس ہیں۔ ہم ان کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے" "چاہے وہ مجرم ہی کیوں نہ ہوں۔" یہٹھ روگڑ والانے حیران ہو کر کہا۔

"اس صورت میں ہم پہلی فرصت میں ان کے پیسے واپس کریں گے"

"اچھی بات ہے۔ تم لوگ انھیں تلاش کر کے ان کے پیسے واپس کر دو۔ پھر میں تمہیں پانچ لاکھ روپے دوں گا"

"جی۔ کیا مطلب۔ پانچ لاکھ روپے۔ لیکن کس بات کے؟"

"اس کیس کو حل کرنے کے اور کس بات کے" اس نے کہا۔

"لیکن کیس ہے کیا؟"

"وہ دونوں آخر بمحض سے کیا چاہتے ہیں۔ انھوں نے یہ چکر کیوں چلایا۔ بس میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں۔ اور اگر وہ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں تو اس سازش کی تہ تک پہنچنا آپ لوگوں کا کام

ہو گا اور اگر وہ کوئی مجرمانہ کام کر رہے ہیں تو ان کے خلاف ثبوت حاصل کریں۔" "ٹھیک ہے۔ فی الحال تو ہم انھیں تلاش کرتے ہیں۔"

شوکی نے کہا۔ "شوکی بہلمز اس سے رخصت ہو کر اپنے دفتر آئے

اور اپنی والدہ سے پوچھا:

"کوئی فون تو نہیں آیا؟"

انھوں نے نعمتی نہیں سر ہلا کیا اور بولیں:

"کھیت کی خریداری کا کیا رہا؟"

"وہ کہانی تو بالکل غلط نکلی۔ جو فون نمبر انھوں نے

بتایا تھا، وہ بھی غلط نکلا"

کیا مطلب؟"

"پتا نہیں۔ وہ دونوں کس چکر میں ہیں۔ میرا خیال ہے۔

ہمیں ان نڑوں کو ایک بار پھر چیک کرا لینا چاہیے۔"

"ادھ ہائی ٹینوں ایک ساتھ بولے۔"

شوکی نے بیک مینجر کو فون کیا:

"ہیلو مینجر صاحب۔ معاملہ کچھ سنگین ہے۔ آپ وہ نوٹ

کسی تاہر سے چیک کرائیں۔"

لیکن شوکی ہم دن رات یہی کام تو کرتے رہتے ہیں۔"

”اس کے باوجود آپ چیک کرائیں۔“

”اچھا۔ میں آدھ گھنٹے تک فون کروں گا۔“ انھوں نے کہا۔

آدھ گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ مینځر صاحب گھبرائی ہوئی آواز میں کہ رہے تھے :

”شش۔ شوکی صاحب۔ جلد یہاں آئیے۔“

دوسراءٹھ

”مینځر صاحب بہت گھراۓ ہوتے ہیں۔ آؤ جیں۔“ شوکی نے
بریشان آواز میں کہا۔

”اس کا مطلب ہے، یہ معاملہ صرف جعلی نوٹوں کا ہے،
اور ہمیں کوئی کیس نہیں ملا۔“ آفتاب نے ماہی سانہ لبھے میں کہا۔
”معلوم تو یہی ہوتا ہے۔ خیر اللہ مالک ہے۔“ اشFAQ
نے کہا۔

”یعنی اب ہم وہاں جا کر کیا کریں گے۔“ ہم نے تو مینځر
صاحب کو پہلے سی خبردار کر دیا تھا۔
”وہ بلا رہنے ہیں، جانتا تو چاہیے۔ آؤ۔“ شوکی نے کہا
اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

عین اسی دقت ایک پولیس جیپ ان کے دفتر کے سامنے
رُکی اور پھر وہ خوف زدہ ہو گئے۔ جیپ سے انپکٹر جلالی نور
اترا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک طنزیہ مکراہٹ تھی:

آہ ہے، ہیں۔"

"رنو ہے انکل نہالی جو۔ آج بڑے مزے میں نہیں جمع کرتے ہیں۔"

"ہاں اپا انکل۔" اس نے فوراً کہا۔

"وہ نوٹ ہم نے چوری نہیں کیے۔ اب سے تین گھنٹے

"ابھی تم بھی مزے میں نظر آؤ گے، فکر نہ کرو۔"

"اپ کے ارادے خطرناک لگتے ہیں۔"

"بچو! اس بار بہت بُرے پھنس گئے ہو۔ کوئی تمہاری کہانی میں تھانے چل کر سنوں گا۔ تم جو چاہو نہیں پھٹرا سکے گا۔ نہ وہ تمہارا وکیل اکبر رامخور، نہ کر فارانی، نہ انیکٹر جمیش پارٹی اور نہ انیکٹر کامران مرازا پارٹی کے میں پوری پوری مہلت دی جائے گی۔ فکر دے۔"

"فکر ہم کیوں کریں انکل۔ جب ہم نے کوئی چوری

"اک لاکھ روپے کے نوٹوں کی چوری۔"

"ارے باپ رے۔ ہم نے چوری کی ہے۔ وہ بھی ہی نہیں۔"

"ایک لاکھ روپے کے نوٹوں کی۔ افتاب بوکھلا اٹھا۔

"عین اس وقت فون کی گھنٹی بھی۔ شوکی نے فوراً رسیور

"نہیں سکتے۔" انکل طرف ہاتھ بڑھایا:

"ذرا ہم بھی تو نہیں۔ کیس ہے کیا؟"

"کیس یہ ہے کہ تم نے ایک گھر سے ایک لاکھ روپے

"چڑھاتے، میں اور ان نوٹوں کو بنک میں جمع کرایا ہے۔"

"اوہ! تو یہ بات ہے۔ شوکی مسکرا یا۔

"کیا بات ہے۔ جلالی نور نے جھلا کر کہا۔

"یہ اپ نے کیا کیا۔ جھوٹ کیوں بولا۔ وہ ہمارا کوئی

"یہ ان نوٹوں کی بات ہے۔ جو ہم نے اپنے اکاؤنٹ ہم فون بھی ہو سکتا تھا۔"

کی بات ہو گی۔ وہ سیٹھ روگڑ والا کا گھاس کا
کھیت خریدنا چاہتے تھے، لیکن خود سامنے آئے
بیغز۔ وہ چاہتے تھے، ان سے یہ سودا ہم کریں
اور پھر کھیت ان کے نام منتقل کر دیں۔ اس کام
کے اس نے ہمیں ایک لاکھ روپے دیے۔ ہم نے
وہ ایک لاکھ روپے پہلے بُنک میں جمع کرائے۔
اور مینجر صاحب سے یہ بھی کہا کہ وہ نوٹوں کو چیک
کریں، کیاں نوٹ جعلی تو نہیں ہیں۔ مینجر صاحب
نے بتایا کہ نوٹ جعلی نہیں ہیں۔ لہذا ہم سیٹھ
روگڑ والا کے گھر گئے۔ ہاں یہ بتانا، ہم بھول
گئے کہ ہم نے ان کے نام پتے اور فون نمبر نوٹ
کر لیے تھے۔ اخنوں نے جو فون نمبر بتایا، ہم
نے اس پر تصدیق کرنے کے لیے فون بھی کیا
تھا۔ جب ہم نے فون کا رسیور اٹھانے والے
سے پوچھا کہ مسٹر ووجر اور شوبر سے ملا ہے تو
اس نے بتایا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اس جواب
سے میں مطمئن ہو گی۔ اخنوں نے اپنا پتا البریونی
ستریٹ، مکان نمبر ۳۶۲ بتایا تھا۔ فون نمبر ۳۱۲۳۱۲
لکھوا�ا تھا۔ خیر، ہم سیٹھ صاحب سے ملے۔ اور اخنوں

”تم چوری کے ملزم ہو۔ صنا۔“ اس نے آنکھیں بکالیں۔
”اچھی بات ہے۔ اب آپ جو کرنا چاہیں، کریں۔ لیکن
خیال رہے۔ ہم انتقام لیں گے۔“
”میں تم لوگوں کو انتقام لینے کے قابل چھوڑوں گا تب
نا۔“ اس نے تڑپ کر کہا۔

”پھر ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں مذال دی گئیں۔
”شش۔ شوکی۔“ اندر سے ان کی والدہ کی ردیقی آواز
سانی دی۔

”گھبرا یئے نہیں اتی جان! ہم نے چوری نہیں کی۔ ایسا
جان شاید گھر میں نہیں، میں۔ وہ آئیں تو انھیں انکل اکبر راجہ خود
کی طرف بصحیح دیجھیے گا۔ یا آپ خود انھیں فون کر دیں۔“ شوکی
نے کہا۔

”اچھے۔ چھا۔“ وہ بولیں۔
جلالی نور انھیں جیپ میں بٹھا کر تھانے لے آیا۔
پھر انھیں خرش پر بٹھا کر خود کریں پر جوڑا ہو کر بیٹھ گیا
اور بولا:

”اب سُناو اپنی کہانی۔“

”دو نوجوان۔ جنھوں نے اپنے نام رووجر اور شوبر
 بتائے، ہمارے دفتر آئے تھے۔ یہ تین گھنٹے پہلے

"ہاں! یہ خود پر طھہ لو۔"

انھوں نے جلدی جلدی رپورٹ پڑھی اور حیرت زدہ
گئے، بھر شوک نے کہا:

”اس کا مطلب ہے ۔ یہ سارا چکر یعنی روگڑ والا کا چلا یا
بیوای ہے ۔ اور وہ کسی وجہ سے، ہمیں جیل بھجوانا چاہتا ہے،
لیکن ہم اس کا بے خواب بیو را نہیں ہونے دیں گے۔“

اب تو میر تمھری حوالات میں بند کر سکتا ہوں نا۔

آپ کی مرضی ۔ یکن ہم ہیں باکل بے گناہ ۔

آپ کی مرضی - لیکن ہم ہیں بالکل بے گناہ۔

"میہمت یہ ہے۔ بلکہ میہمت تھمارے لیے۔ میرے

تو خوشی کی بات یہ ہے کہ تمہارے پاس اپنی بے گناہی

کوئی شبوت نہیں۔ الیروین سٹریٹ پر شوبر اور روجر

اے ادمی نہیں ملیں گے۔ بے شک پتا کرا لو۔ یہ فون ببر

ل تمہارے انھوں نے دیا۔ اس وون سے جواب دیئے

لے کا بیان بھی تمہارے حق میں ہیں جاما۔ جلای وور

جلدی جلدی کہا۔

"یکوں جناب - جاما یلوں بھیں -
کسے نہ انجھے، لعفناگوئات کے دے

اس کا بیان ہے رہی ہے اپنے گرد پر سر، اس بات سے رہی
نگان کو فک کر جانشی کرے گا۔

— کہ اگر وویون رئے دو بڑا درد بوبرت بروئے ہو۔

نے بتایا کہ ان کا تو سرے سے کوئی کیھت ہے
ہسی نہیں۔ یہ بات ہمارے لیے بہت حیران کرنے
تھی۔ ہم یسٹھ صاحب کو ساری بات بتا کر اور
معذرت کر کے واپس آگئے۔ معاملہ ہماری سمجھے
میں نہیں آیا تھا۔ کہ وہ نوجوان چاہتے کیا تھے۔
اب آپ کہ رہے ہیں کہ ہم نے ایک لاکھ روپے
چڑائے ہیں۔ آخر کہاں سے چڑائے ہیں؟
”یسٹھ روگڑ والا کے گھر سے۔“
”کیا!!“ دُہ زور سے چلائے۔

چلاو ملت — میں بھرا نہیں ہوں — سیدھے روگڑ والا
نے رپورٹ درج کرائی ہے کہ تم چاروں ان کے گھم
آئے تھے، کسی فرضی کھیت کی خریداری کی بات کو رہے
تھے — میز پر اس وقت ایک لاکھ روپے پڑتے تھے۔
جانے وقت نظر بیجا کر تم لوگ وہ نوٹ اٹالائے
اکھوں نے باقاعدہ نوٹوں کے نمبر نوٹ کروائے ہیں — اور
وہ نوٹ تم نے — یعنی انھی نمبروں کے نوٹ تم نے
بنک میں جمع کرائے ہیں۔

”اوہو۔ اچھا۔ سیٹھ روگڑ والا نے یہ رپورٹ درج کرائی ہے۔“

نظری اٹھائیں تو اکبر راٹھور اور ان کے والد چلے آ رہے تھے۔

"ہم انپکٹر صاحب سے اجازت لے کر آتے ہیں۔" اکبر راٹھور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

جلد ہی ان کی واپسی ہوئی۔

"ہاں شوکی۔ کہانی کیا ہے؟"

اس نے ساری کہانی سنادی۔ اکبر راٹھور تکر مند ہو گئے:

"ہم سوچ بھجو کر منصوبہ بنایا گیا ہے شوکی۔"

"جی ہاں ای تو ہے۔"

"مجھے مشورہ دو۔ اب ہم کیا کریں؟"

"جس آدمی نے میرا فون سنا تھا اور یہ کہا تھا کہ روجر اور شوبر نہیں ہیں، آپ اسے پکڑیں۔ اس سے اگلوائیں۔

اس سلسلے میں انپکٹر کاشان سے مدد لے لیں۔"

"اس سے کیا اگلوائیں؟"

"وہ اس آدمی کا حلیہ بتائے۔ جس نے اسے پانچ سو روپے دیے تھے۔"

"اوہ ہاں؟ وہ پونک کر دو۔ پھر انہوں نے کہا:

"تم فکر نہ کرو۔ میں نے ضمانت کی درخواست دے دی ہے۔ ابھی ہم آتی جی صاحب سے مل کر آج ہی

نہیں ہیں۔ اب اس کام پر تو انھیں تم خود کسی کو بیٹھ کر مقرر کر سکتے تھے تاکہ تم اپنی بے گناہی کا ثبوت دے سکو۔ لیکن سیٹھ روگڑ والا کی روپورٹ کے مقابلے میں تمہارے اس بیان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

اچانک انہوں نے حسوس کیا۔ واقعی وہ بُری طرح پھنس گئے ہیں اور سیٹھ روگڑ والا نے پھنسوایا ہے؛ تاہم انہوں نے چھرے سے پریشانی کے آثار ظاہر نہ ہونے دیے اور شوکی بولا:

"اچھی بات ہے۔ آپ اپنی کارروائی کریں۔ ہم اپنا کام کرتے ہیں۔"

"لیکن حالات کے کمرے میں بیٹھ کر" اس نے طرزیہ لجھے میں کہا اور کانٹیبلوں کو اشارہ کیا۔

انہوں نے چاروں کو لے جا کر حالات میں بند کر دیا۔

"سوال یہ ہے کہ سیٹھ روگڑ والا کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اسے جو ضرورت بھی تھی۔ اس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا، لیکن اب ہم اس سے یہ دو دو باتیں کریں گے۔" شوکی نے تیز لجھے میں کہا۔

آدھ گھنٹے بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے

ضمانت کرایں گے؟

"اوہ ہاں ! بنک مینجر ہمیں کیوں بلانا چاہتے تھے - یہ بھی معلوم کرنا ہے آپ کو؟"

"وہ کس وقت بلانا چاہتے تھے؟"

"جب ہم روگڑ والا سے مل کر آئتے تھے - اور وہ مارا۔" اچانک شوکی چلا یا۔

"کیا مارا؟"

"کان ادھر لایئے"

اس نے جلدی جلدی ذہن میں آنے والی بات اکبر رامخور کے کان میں اتار دی۔ اکبر رامخور کے چہرے پر رونق آگئی :

"بہت خوب شوکی ! اب یہ کیس آگے نہیں بڑھ سکتا، ان شاء اللہ！"

وہ چلے گئے - تھوڑی دیر بعد ضمانت کے کاغذات پیسے تھانے میں داخل ہوئے اور اس کے سامنے پہنچنے ہوتے ہوئے :

"میرے بے گناہ مولکوں کو باہر نکالیے - بہت ہو چکی"

"چرت ہے - اتنی جلدی ضمانت ہو گئی - خیر عدالت سے تو نہیں پچ سکیں گے"

"صحیح ہی کیس لگ رہا ہے جناب - مجریٹ صاحب نے آپ کو طلب فرمایا ہے اور یہ روگڑ والا کو بھی سن جانی ہو چکے ہیں۔"

"اوہ ہو اچھا - تب تو مزا آتے گا۔"

"ہاں ! وہ تو ہتھے گا۔ انہوں نے مکرا کر کہا۔"

"حوالدار - انھیں باہر نکال دو۔ انپکٹر جلالی نوٹ نے ناخوش گوار لجھے میں کہا۔"

دوسری صحیح مجریٹ نے انھیں بلا لیا۔ سب ان کے سامنے موجود تھے۔

"وکیل صاحب - آپ اپنے دلائل بیان کریں۔"

"جناب والا - شوکی برادرز نے ایک لاکھ روپے کے نوٹ شام چار بجے جمع کرائے۔ مینجر صاحب کا بیان ریکارڈ پر موجود ہے۔ انہوں نے یہ روگڑ والا سے ملاقات سامنے چار بجے کی۔ اگر انہوں نے نوٹ یہ روگڑ والا کے ہاں سے چڑائے تھے تو نوٹ بنک میں پانچ بجے جمع کر سکتے تھے، اس سے پہلے نہیں۔ یہ روگڑ والا کا بیان ہے کہ انہوں نے اس سے سامنے چار بجے ملاقات کی تھی۔"

"تب پھر بنک مینجر غلط بیانی کر رہے ہیں۔" سرکاری

”انھوں نے مجھے ہدایات دی تھیں کہ جونہی آپ لوگ
آئیں۔ ان کے پاس پہنچا دوں۔“

”تو پھر پہنچائیں۔“ شوکی نے کندھے اچکاتے۔

وہ انھیں اسی سکرے میں لے آیا۔

”سیٹھ صاحب۔ ہماری بھجھ میں کچھ نہیں آیا۔“

”آجاتے گا۔ منصوبے میں یہ خامی میں نے خود رکھی
تھی۔ ورنہ میں ملاقات کا وقت جلالی نور کو سارا ہے تین
بجے کا لکھواتا۔ اور پھر بنک میسنجر کے بیان کی روشنی میں
تم چور ثابت ہو جاتے۔“

”لیکن کیوں۔ سوال تو یہ ہے کہ ہمیں چور ثابت کرنے کا
شوق آپ کو کیوں ہے؟“

”شوق نہیں ہے۔ میں نے تو ایک نمونہ پیش کیا ہے
کہ تم اس قدر آسانی سے میرے جال میں آ سکتے ہو۔“
اس نے کہا۔

”اور یہ ثابت کر کے آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”میں تم لوگوں سے ایک کام لینا چاہتا ہوں۔ اگر
تم نے انکار کیا تو میں تھیں اس قسم کے کیسون میں
پھنساتا رہوں گا۔ کیس غلط ثابت ہونے پر بھی عدالت
نے مجھے تو کچھ نہیں کہانا۔ اور پھر یہ بھی ضروری نہیں
ملازم بولنا۔“

وکیل نے فوراً کہا۔

”آپ اس بات کا ثبوت پیش کر دیں۔ میں ان
چاروں کو چور تسلیم کر دوں گا۔“ اکبر راٹھور مسکراتے۔

سرکاری وکیل بغلیں جھانک کر رہا گیا۔

”ان چاروں کو بڑی کیا جاتا ہے۔ ان پر کوئی
الزام نہیں۔“

”شکریہ سرا!“

وہ عدالت سے باہر نکل آئے۔

”لیکن انکل۔ اب ہم اس لائک کا کیا کریں؟“
”خیرات کر دینا۔ اور کیا کرو گے؟“ وہ مسکاتے، پھر
پونک کر بولے:

”لیکن پہلے ان میں سے میری فیس ادا کر دیں۔“

وہ ہنس پڑے۔ صرف پندرہ منٹ بعد وہ سیٹھ
روگڑ والا کے دروازے کی گھنٹی بجا رہے تھے، اُسی ملازم
نے دروازہ کھولا اور انھیں دیکھ کر پونک اٹھا:

”سیٹھ صاحب ہیں؟“

”بالکل ہیں اور آپ لوگوں کا ہی انتظار رہے ہے ہیں۔“
”کیا مطلب؟“ وہ حیران رہ گئے۔

کا کیس کیا ہے؟

"کیس چھوٹا سا نہیں ہے۔ بہت بڑا ہے۔ آتنا بڑا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ میں تمھیں پچاس لاکھ روپے تک دے سکتا ہوں۔"

"جی کیا فرمایا۔ پچاس لاکھ روپے۔ ان کے لمحے میں بلا کی حرمت در آئی۔

"ہاں! پچاس لاکھ روپے۔ پچاس ہزار نہیں۔ ایک لاکھ روپے تو میں نے وہ خانع کر دیے ہیں جو تمھیں رو جراور شوبرنے دیے تھے۔"

"اوہ۔ وہ دونوں کہاں ہیں؟"

"اس بات کو چھوڑو۔ کام کی بات کرو۔"

"جی فرمائیے۔ آپ کا کیس کیا ہے؟"

"میں اس طرح نہیں بتاؤں گا۔ پہلے وعدہ کرو۔ کہ کیس کرو گئے تھے۔"

"ہم نے آج تک کیس مننے سے پہلے اس قسم کا وعدہ نہیں کیا۔"

"ایک طرف پچاس لاکھ روپے کا کیس ہے، دوسری طرف جیل ہے۔"

"خیر آپ ہمیں جیل کی دھمکی تو نہ دیں۔ بے شک اس طرح

کہ میں ہر کیس میں خود سامنے آؤں۔ میرے آدمی اس قسم کے کام کرتے رہیں گے۔ یہ سارا پچھر دراصل میں نے اس لیے چلایا ہے کہ تم میرا کام کرنے سے انکار نہ کرو۔"

"انکار تو ہم ضرور کریں گے۔ آپ چاہے ہمیں دس کیسوں میں پھنسائیں، لیکن ہم اپنی مرضی کے خلاف کیس نہیں لیں گے۔"

"بھی سوچ لو۔ ایک طرف تو آئے دن کی گرفتاریاں ہیں۔ میرا کیا ہے۔ کوئی بھی الزام لگا کر تم پر مقدمہ درج کر آتا رہوں گا۔ جلالی نور میرے اشاروں پر ناچھے گا۔ اسے تو بیز بیز نوٹ چاہیں۔ دوسرے بہت سے کام بھی رشتہ سے چلتے ہیں۔ آخر آئی جی صاحب کب تک تمھیں بچا سکیں گے؟"

"ہم بھی حوصلہ نہیں ہاریں گے۔ بلکہ ہمارا دیل اکبر راٹھور آپ پر مقدمہ کرے گا کہ آپ کیوں ہمارے یونچے لاتھ دھو پڑ گئے ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر یونہی سی۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"تمہم ہم جانے سے پہلے یہ جانتا چاہتے ہیں کہ آپ

میں چھا لیں گے۔

” یہ تمام تائیں تو میں آپ کو بتاؤں گا۔
خیر بتائیں یہ۔ آفتاب نے منہ بنایا۔

” بھری جہاز ہمارے ملک کی بندرگاہ سے پندرہ تاریخ
کو روانہ ہو رہا ہے۔ یعنی کل۔ آپ لوگ بھی اس پر
سفر کریں گے۔ اس جہاز کو برٹائن کے ساحل پر پہنچا ہے،
راستے میں یہ چار صلکوں کے ساحلوں پر بھی رکے گا۔
دہان پکھ سامان اتارے گا۔ کچھ چڑھاتے گا۔ مطلب یہ
کہ یہ بھری جہاز مال کا ہے۔ مسافروں کا نہیں ہے۔
” چلیے بھجو گئے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟

” جہاز کا سفر سولہ دن کا ہے۔ سولہ دن بعد یہ برٹائن
پہنچے گا۔ جب کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ درمیان میں ہی
غائب ہو جاتے۔ میں کاغذ پر نقشہ بنانا کر سمجھاتا ہوں۔
یہ کہ کرسی نے ایک سفید کا غذ میز پر بچھایا اور
اس پر ایک بھی ٹیڑھی لائی گئی۔ ایک سرے پر لکھا،
پاک لینڈ۔ دوسرے سرے پر برٹائن۔ درمیان میں چار
نقشوں گئے۔ پھر بولا:

” جہاز کا پہلا شیش گولان ہے۔ یہ رہا گولان۔ دوسرا
الجانیہ۔ یہ ہے الجانیہ۔ تیسرا روچان اور چوتھا ہے غالیہ۔

ہم انجمنوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ لیکن آپ ہمیں جیل نہیں
بھجو سکیں گے۔ ہر فرضی کیس کی ہم دھیماں اڑا دیں گے۔
شوکی نے کہا۔

” ٹھیک ہے۔ میں مانتا ہوں۔ لیکن حصیت میں تو
گرفتار رہیں گے۔

” وہ تو میں پہلے ہی کہ چکا ہوں۔

” تب پھر کیس حل کرنا منظور کر دو۔

” خیر۔ ہمیں منظور ہے۔ فرمائیں یہ۔ شوکی نے کچھ
سوچ کر کہا۔ ٹینوں نے اسے گھورا، کیونکہ یہ اس نے
اصول کے خلاف بات کی تھی۔

” ایک بھری جہاز کو انداز کرنا ہے۔

” بھری جہاز کو انداز۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔ شوکی کے
لیے میں یخت تھی۔

” میں نے پہلے ہی کہ دیا تھا کہ بہت بڑا کیس ہے۔
اکی لیے پچاس لاکھ روپے کی رقم بھی تو دے رہا ہوں۔

” لیکن بھلا، ہم بھری جہاز کو کس طرح انداز کر سکتے
ہیں۔ نہیں جناب۔ یہ کام ہمارے بس کا نہیں۔ آخر

ہم اسے کہاں لے جائیں گے۔ اس کا کیا کریں گے۔
بھری جہاز کوئی چھوٹی سی چیز تو ہوتی نہیں کہ ہم جیب

پہنچنے سے ہی تم لوگوں کو جہاز اخوا کرنا ہو گا! تو اپنے پیچاں لاکھ لے کر الگ ہو جائیے گا۔
” اور ہم جہاز کو کہاں لے جائیں گے؟

” تیسے الگ ہو جائیں۔ وہ جہاز آخر ہمارے ملک کے ساحل سے روانہ ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک کا مال اس سے الجانیہ جانے کی بجائے، الگ جہاز کو اس سمت میں پر لدا ہو گا۔ ہم اپنے ملک سے غداری نہیں کر سکتے۔ آیا جائے تو یہاں سے تین گھنٹے کی راستے پر ایک جزیرہ ہے۔ بے آباد جزیرہ۔ بس تمہیں جہاز اسی جزیرے سے تک لانا ہو گا۔ اور تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔

” اوہ ہو۔ آپ غلط سمجھے۔ اس جہاز پر آپ کے ملک کا مال ضرور لدا ہو گا۔ لیکن اس سے آپ تکے ملک کا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

” کیا مطلب؟

” وہ ایک تجارتی جہاز ہے۔ اور پرایویٹ ہے۔ حکومت کا نہیں ہے۔ پرایویٹ بھی ملکی لوگوں کا نہیں، غیر ملکی لگوں کا ہے۔ برطانیہ کے کچھ دولت مذہب اس جہاز کے ملک میں۔ وہ ہمارے ملک سے مال خریدتے ہیں اور اپنے ملک میں فروخت کرتے ہیں۔ نقد رقم مال کی یہاں ادا کرنے کے بعد جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے نہ تو وہ جہاز آپ کا ہو گا، نہ جہاز پر لدا ہوا مال آپ کے ملک کا ہو گا۔ اس صورت میں بھلا آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

” اس صورت میں ہمیں یہ اعتراض ہے کہ مال چاہے

” اب میں گولان سے ایک لکیر کھینچ رہا ہوں۔ گولان سے الجانیہ جانے کی بجائے، الگ جہاز کو اس سمت میں پر لدا ہو گا۔ اشفاق نے جل کر کہا۔
” کام ختم ہو جائے گا۔ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔
” مطلب یہ کہ پھر تم فارغ۔ جہاں چاہو۔ جاسکو گے۔
” بے شک اپنے گھر آ جانا۔

” یہیں کیسے۔ ہم تو اس وقت سمندر میں ہوں گے۔
” ہمارا سے تم لوگوں کو اس شہر میں یا جہاں تم کو، پہنچا، ہمارا کام ہو گا۔

” سوال تو یہ ہے کہ کس طرح؟
” اس بات کو چھوڑ دو۔

” خیر۔ چھوڑ دیا۔ اگلی بات کریں۔
” اگلی بات کون سی؟ اس نے پوچھ کر پوچھا۔

” جہاز کا آپ کیا کریں گے؟
” اس سوال کا آپ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ

کسی کا بھی یکوں نہ ہو۔ ہم ادھر سے اُدھر کیوں کریں؟
اس لیے کہ تم لوگوں کو پچاس لاکھ روپے میں گئے۔

”ہم نہیں مانتے یہ بات۔“

”نہیں! ہم ایسا کام نہیں کر سکتے۔“ شوکی نے صاف لکھا۔ ”ابھی آپ لوگوں کو میرے طریقوں کے بارے میں کہا دیا۔

”اور دوسری بات یہ کہ ہمیں ایسا کام کرنے کا تجربہ کچھ معلوم نہیں۔ جلالی نور والا تو میں نے آپ کو صرف نونہ بھی نہیں ہے۔“ ہم کون سا استئن طاقت ور ہیں۔ کہا تھا۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

جہاز کے عملے پر قابو پا کر انھیں اس طرف جانے پر بھجوں کام لینا پڑتا تو آپ کیا کرتے؟“ اشارتا بتا دی۔ اگر آپ کو انپکٹر جمیش پارٹی سے یہ کہو دیں گے، اس کام کے لیے تو بہت طاقت ور لوگوں کی میرا کام ہے۔ میں اپنے راز بتایا نہیں کرتا۔ ہاں،

کی ضرورت ہے جو اس قسم کے کام کرتے رہے ہوں میں نونہ دیکھنا ہے۔ تو انکار کر کے دیکھ لیں۔“

جو لوگ رہواتی جہاز وغیرہ اخوا کرچکے ہوں۔ اس قسم کے ”یا کہا۔ آپ نے۔ ہم انکار کر کے دیکھ لیں؟“ شوکی نے لوگ پر کام کر سکتے ہیں۔ ہم نے تو آج تک کسی کی بکرا جعل کیا ہے کہا۔
”نہیں انخوا کی۔“

”ہاں! انکار کر کے دیکھ لیں۔ چھر دیکھئے۔ آپ کو کیا“ اس بارے میں میں نے بہت خود کیا ہے۔ ”نظارے دکھاتا ہوں۔“

کام یا تو انپکٹر جمیش پارٹی کر سکتی ہے۔ یا انپکٹر کامل۔ ”نظارے دیکھ تو یوں بھی مدت گزد گئی۔ چلو اچاہے، هرزاں مارٹی۔ یا چھر قم۔ ان دونوں پارٹیوں کو میں درمیان سربراہی فرمائے کر رہیں نظارے دکھا دیں پہلے۔“

”میں لانا نہیں چاہتا۔ لہذا میں نے تمہارا نام تجویز کیا۔“ لیکن اس صورت میں میں پچاس لاکھ نہیں دوں گا۔“ اگر آپ ان دونوں کو لانا چاہتے تو کیا آپ انھیں ”جی۔ تو چھر کیا دیں گے؟“

”ایک روپیہ بھی نہیں۔ اس صورت میں بالکل صرفت کام کرنا ہو گا۔“

”اگر آپ آمادہ کر رہے ہیں؟“
”ہاں! بالکل کر رہتا۔“

”ہم نظارہ ضرور کیں گے۔“

"اچھا۔ تم لوگوں کی مرضی۔ میں نے تو سوچا تھا، تم ہم نے سوچا۔ اگر ان عزیزوں کو دیکھ کر بھی تم تیار نہ پچاس لاکھ روپے کا سُن کر فوراً تیار ہو جاؤ گے۔ اس ہوتے تو انھیں بھی لائیں گے۔ اب بتاؤ۔ ان میں سے کس نے جھلکا کر کہا۔

"ہم لاپچی ہرگز نہیں ہیں جناب اخلاق نے منہ بنایا۔" بس! اتنی جلدی گھبرا گئے۔ ابھی تو کہ رہے تھے کہ "بھئی شوبر۔ رو جر۔ اب انھیں نظارے دکھانا ہی نظارہ دیکھے بغیر تیار نہیں ہوں گے۔" "جب تھمارے نامتھ اس قدر بلے ہیں۔ تو پھر تم ہوں گے۔" اس نے مذ ایک دروازے کی طرف کمرے کہا۔ اپنک دروازہ کھلا، رو جر اور شوبر کمرے میں داخل ان بلے ہاتھوں کے ذریعے جہاز کو کیوں اخوا نہیں کرایتے؟" شوکی نے جھلکا کر کہا۔

"بتاؤ۔ کس کی موت کا نظارہ کرنا پسند کرو گے؟" "اس کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔ جو جہاز پر، ہی تم لوگوں کی بھگھ میں آئے گی۔ فی الحال تو بھگھ میں آئنے کیا مطلب؟" شوکی نے بوكھلا کر کہا۔ "یہاں موت کے نظارے سے کم کوئی نظارہ نہیں ہے۔ والی یہ بات سُن لو کہ اگر تم نے میرا کیس کرنا منظور نہ اس کمرے کے چاروں طرف بالکو نیاں ہیں، ان میں دیکھا کیا تو میں ان لوگوں کو ابھی گولی مارنے کا حکم دے دوں شوبر کی آواز سرد تھی۔

انھوں نے گھبرا کر اپر دیکھا۔ ایک میں انھیں اپنے دیکھا۔ اور اگر ہم نے جہاز کو اخوا کرنا منظور کیا تو؟" نظر آتے، دوسری میں والدہ، تیسری میں اکبر را محفوظ اور چوتھی تو یہ لوگ محفوظ رہیں گے۔ اور تھماری واپسی پر انھیں یہاں میں کرنل فارانی۔

"یہ۔ یہ۔ یہ کیا؟" "یہ تو صرف ایک نظارے کی ابتداء ہے۔ ابھی تو شوکی نے جل کر کہا۔" تھمارے آئی جی صاحب کو بھی یہاں لانا چاہتے تھے،

ایک بات کا خیال رہے مستر سینٹھ روگڑ دala۔ یہ کام تم ہم سے زبردستی لے رہے ہو، ایسے آدمیوں کو ہم پسند نہیں کرتے۔ شوکی نے سرد آواز میں کہا۔

”میں جانتا ہوں۔ موقع ملنے پر تم لوگ مجھے کپا چبا جاؤ گے، یہی نہ۔“

”موقع ملنے پر ہم کیا کرتے ہیں۔ یہ ہم اس وقت نہیں بتا سکتے۔“

”کوئی پروا نہیں۔ لے جاؤ بھی انھیں۔ جہاز پر۔“
شوبر اور روجر نے پستول نکال لیے اور انھیں باہر لے آئے۔ باہر واقعی ایک بندگاڑی کھڑی تھی۔ انھیں اس میں بٹھا دیا گیا اور گاڑی چل پڑی۔

”جُونہی گاڑی دہاں سے روانہ ہوتی۔ اندر سینٹھ روگڑ دala کام کے ماہرین کیوں نہیں۔“

نے اپنے آدمیوں سے کہا:

”بس! اب ان لوگوں کو جانے دو۔“

”جی۔ کیا فرمایا پاس۔ انھیں جانے دیں۔“

”ہاں! انھیں چھوڑ دو۔ ان کا کام ختم ہو چکا ہے۔
اب ہم انھیں یہاں رکھ کر کیا کریں گے۔“

”آپ کی ایک بات بھی آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ خاص طور پر یہ معاملہ۔ یہ تو بالکل پتے نہیں

”نہیں۔ قید میں نہیں۔ مہمان رہیں گے۔ ان کے آرام اور خوارک کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔“

”لیکن جب ہم واپس آئیں گے تو آپ انھیں کس طرح چھوڑ دیں گے۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس صورت میں ہم قانون کی مدد نہیں لیں گے اور آپ کو گرفتار نہیں کر دیں گے۔“

”اس وقت تم اس پوزیشن میں نہیں ہو لے۔ بے نظر رہو۔ تاہم اگر گرفتار کرا سکو تو ضرور کرانا۔ میں اعتراض نہیں کروں گا۔“

”آخر اس کام کے لیے ہم ہی کیوں مناسب ہیں، اس کام کے ماہرین کیوں نہیں۔“

”میں کہ چکا ہوں۔ یہ سب باتیں تھیں جہاز پر سمجھ میں آئیں گی۔ یہاں نہیں۔“ اس نے جل کر کہا۔

”اچھی بات ہے۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟“
”اچھی اور اسی وقت جہاز پر جانا ہے۔ ایک بندگاڑی باہر دروازے پر موجود ہے۔ میرے آدمی تم لوگوں کو جہاز پر پہنچائیں گے۔ تم چار دن میں الجانیہ پہنچ جاؤ گے وہاں سے جہاز کا مرخ موڑنا تھا راما کام ہو گا۔ اس کے لیے تم کیا کرتے ہو، ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔“

یسطھ روگڑ والا بھرپور انداز میں مسکرایا، پھر بولا:
”تم ابھی بچے ہو۔ ان لوگوں کو جانے دو۔“
”اوکے باس۔“

اس کے ملازم اپر گئے اور ان چاروں کو کھول کر نیچے لے آئے۔

”تم لوگ آزاد ہو۔ جہاں چاہو جا سکتے ہو۔“
”اوہ! اکبر راٹھور نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔
اور پھر وہ بہت تیزی سے دہل سے روانہ ہوئے۔
ایک ٹیکسی نے بہت جلد انھیں آئی جی صاحب کے دفتر تک پہنچا دیا۔ وہ اُتر کر اندر کی طرف دوڑے۔
آئی جی صاحب انھیں اس حالت میں دیکھ کر جیران ہوتے

بغیر زدہ سکے اور بولے:

”خیر تو ہے؟“

”خیس ہے سر۔ سب سے پہلے تو اس یسطھ روگڑ والا کو گرفتار کرنے کا انتظام کریں۔ یہ ہے اس کا پتا۔
یا کم از کم اس کی کٹھی کے گرد پویں گھیرا ڈال لے۔
ہم آپ کو تفصیل سنائے کر دہل چلے جائیں گے اور اپنے سامنے اسے گرفتار کرائیں گے۔ اکبر راٹھور نے کہا۔“

”اچھی بات ہے۔ آپ کہ رہے ہیں تو ضرور اس

پڑا۔ پہلے آپ نے شوبر اور رو جسٹر کو شوکی برادرز کے پاس بیھجا۔ رو جسٹر اور شوبر کو دہل جا کر ایک کھیت کی خریداری کی بات طے کرنا تھی۔ جو آپ کے پاس تھا۔ اس کام کے لیے رو جسٹر اور شوبر کو ایک لاکھ روپیے شوکی برادرز کو دینے کے لیے دیے گئے۔ جبکہ آپ کے پاس کوئی کھیت سرے سے نہیں ہے۔ حلالی نور کو بھی آپ نے ایک بڑی رقم دی، تاکہ وہ اپنا پلاٹ ادا کر سکے۔ پھر شوکی برادرز جب یہاں آئے تو ایک اور کیس اُن سے حل کروانے کی بات چیت شروع کر دی، آخر یہ سب کیا چکر ہے؟“

”تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گے۔“
”لیکن کم از کم ایک بات تو ہمیں سمجھا ہی دیں۔“ ایک ملازم نے شدید انجمن کے عالم میں کہا۔

”اور وہ کیا؟ یسطھ روگڑ والا مسکرا۔“
”یہ کہ اگر ہم نے انھیں چھوڑ دیا تو کیا یہ فردا آئی جی صاحب کے پاس نہیں جائیں گے۔ پویں پھر یہاں آئے گی۔ ہمیں گرفتار کرے گی اور وہ جہاں روانہ نہیں ہو سکے گا۔ شوکی برادرز کو بھی اس پر سے اتار لیا جائے گا۔
آخر ان لوگوں کو کیوں چھوڑا جائے؟“

ہوا ہو یا ہونا ہو؟
”بھی نہیں۔ بالکل نہیں۔“
آئی جی صاحب نے دیسپور رکھ دیا اور یہ رپورٹ
ٹالی۔

”یہ ایک اور حیرت کی بات سننے میں آئی۔ اب تو یہ
روگڑ والا کے پاس جانہ ہی ہو گا۔“

وہ اسی وقت پولیس کی گھاڑی ساتھ لے کر روانہ ہوئے،
یہ روجڑ والا کی کوٹھی کے دروازے پر تالا نظر آیا۔

”یہ کیا بھتی؟“ آئی جی صاحب نے پہلے سے موجود پولیس
سے پوچھا۔

”سر؛ جب ہم یہاں آئے تو تالا لگا ہوا تھا۔
اوہ! اس کا مطلب ہے۔ اب ہمیں شوکی برادرز کو
تملاش کرنا ہو گا۔“

”پہلے اسکی کوٹھی سے انگلیوں وغیرہ کے نشانات اٹھوا ہیں
سر۔“ اکبر راٹھور نے کہا۔
”ہاں! سب کام کریں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔“ آئی جی صاحب
نے کہا۔

اور پھر پورے شہر میں شوکی برادرز کی تلاش شروع ہوئی،
لیکن وہ تو اس طرح غائب تھے، جیسے گھر کے سر سے

نے کوئی جُرم کیا ہے۔ میں ابھی گھیرا ڈالنے کا انتظام
کرتا ہوں۔“ یہ کہ کر انہوں نے دائریس پر ہدایات جاری
کیں، پھر ان کی طرف مڑے:

”ہاں! اب سُنائیں۔ بات کیا ہے؟“
اکبر راٹھور نے شروع سے آخر تک صاری کہانی سُنادی۔
آئی جی صاحب کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ انہوں نے فوراً کسی
کے نمبر ملا تے اور بولے:

”ہیلو۔ بندرگاہ سے آج کوئی جہاز روانہ ہو رہا ہے؟“
”جی۔ نہیں تو۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”کل یا پرسوں۔ یا کسی اور دن؟“
”ایک ہفتہ۔ بعد ایک جہازِ مقدس کی طرف روانہ
ہو گا۔“

”اس سے پہلے کوئی جہاز نہیں؟“
”جی نہیں۔“ دوسری طرف سے کہا گی۔
”آج کی تاریخ میں کوئی جہاز چلا تو نہیں گی؟“ آئی جی صاحب
نے پوچھا۔

”جی نہیں تو۔ نہ آج گی۔ نہ کل۔ ہاں پرسوں ایک
جہاز گیا ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ کسی اور ملک کا کوئی جہاز آج روانہ

سینگ -

چار دن گزر گئے ، لیکن شوکی برادرز کا کوئی پتا نہ
چلا - ان کی گم شدگی کی خبری اخبارات میں زور شور
سے شائع ہوئیں - سیٹھ روگڑ والا بھی پھر کہیں دکھائی نہ
دیا - اس کو بھی کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں
تو پتا چلا کہ وہ کرانے پر لی گئی تھی - مالک کو کئی ماہ
کا ایڈوالنس کرایہ ادا کر دیا گیا تھا - اور وہ رہتا بھی دوسرے
شہر میں تھا - اس لیے اسے جلد خبر نہ ہو سکی تھی -

شوکی برادرز کے والد اور والدہ بہت پریشان تھے -
اکبر رامھور ، کرنل فارانی اور انپکٹر کاشان بھی حدود بھے
نکر مند تھے - شام کا وقت تھا - وہ سب شوکی کے
گھر میں جمع تھے - یہ سوچنے کے لیے کہ اب کیا کیا جائے -
لیے میں سفید رنگ کی ایک کار ان کے دروازے
پر آ کر رکی - ایک شخص نے آگے بڑھ کر دروازے
پر دستک دی - انپکٹر کاشان باہر نکلا تو حیرت زدہ
رہ گیا - باہر جو آدمی کھڑا تھا - اس کا حلیہ بالکل سیٹھ
روگڑ والا جیسا تھا -

"آپ - آپ سیٹھ روگڑ والا تو نہیں ہیں؟"
ہل : میں ہی سیٹھ روگڑ والا ہوں - جب میں نے

اجارات میں اپنے نام کے ساتھ اس قدر خبری پڑھیں تو
مجھے ملک میں واپس آنا پڑا۔"

"کیا مطلب - کیا آپ ملک سے باہر گئے ہوئے تھے؟
انپکٹر کاشان نے اچھل کر کہا -

میں جانتا ہوں ، نقلی سیٹھ روجڑ والا بھی میری ہی کوٹھی میں رہتا تھا - اور یہی اس کی چالاکی تھی - میں کوٹھی اپنے ایک دوست کے حوالے کر گیا تھا - وہ دوست دوسرے شہر میں رہتا ہے - کوٹھی پر اس کے نام اور پتے کی تختی لگا کر گی تھا کہ اگر کسی کو کوٹھی کرنے پر یہی ہو تو اس سے رابطہ قائم کرے - اب اس سے سیٹھ روجڑ والا نقلی نے کوٹھی کرانے پر لے لی - اس نے ایڈوانس کمی ماؤ کا کرایہ ادا کر دیا - لہذا میرے دوست نے کچھ پوچھ بچھڑکی - ویسے بھی میرا خیال ہے کہ اس نے کسی اور فرضی نام سے کوٹھی کرانے پر لی ہو گی - یا کسی کے ذریعے لی ہو گی ۔

ہم : پچ کیا ہے اور جھوٹ کی ہے - ابھی ہم کچھ نہیں کہ سکتے - آپ اپنی کوٹھی میں رہ سکتے ہیں ، لیکن اگر شوکی برادر کے انخوا کا تعلق آپ سے ثابت ہوا تو پھر آپ کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی ۔

آپ فکر نہ کریں - میرا اس معاملے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ۔

کیا آپ ہمیں اپنی انگلیوں کے ثانات دینا پسند کریں گے؟

ہاکیاں

"جی ہاں ! میں تین سال پہلے ملک سے باہر گیا تھا - اب لوٹ کر آیا ہوں - میں نے اپنے بارے میں وہیں یہ سب باتیں سُنی تھیں اور پریشان ہو گیا تھا - میں ڈر رہا تھا کہ کہیں مجھے ملک میں داخل ہوتے ہیں گرفتار نہ کر لیا جائے ، لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا - شاید اس لیے کہ اس سیٹھ روجڑ والا کی شکل صورت میری شکل صورت سے کچھ مختلف تھی یا یوں کہ لیں کہ وہ میرا میک آپ درست نہیں کر سکا تھا ۔

"شاید ایسا ہی ہے ، لیکن یہاں آپ کی رہائش کہاں تھی؟ انسپکٹر کاشان بولے ۔

"جی میری رہائش - ابیرودنی سٹریٹ ، کوٹھی نمبر ۳۶۲ ۔"

"کیا!!" ۔

"کیوں - اس میں حیرت کی کیا بات ہے جناب!

"ضروریوں نہیں۔" اس نے کہا اور اپنی انگلیوں کے نشانات دے دیے۔

"آپ جاسکتے رہیں۔"

وہ ان سے لاحظہ ملا کر رخصت ہو گی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر کہل فارانی بولے:

"انپکٹر کاشان! آپ کا یہاں خیال ہے؟"

"ہم اس کی تحریکی تراویں گے۔ کوئی ہے ملنے والے نشانات کو اس کی انگلیوں کے نشانات سے ملا نہیں گے، دوسرے ملک میں یہ تین سال تک کہاں رہتا رہا ہے، اس بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔ اس نے کوئی جس دوست کے حوالے کی تھی۔ اس سے کس نے کرائے پر حاصل کی تھی۔ یہ معلوم کریں گے اور اس کے بعد کوئی نتیجہ نکالنے کی کوشش کریں گے۔"

"ز جانے میرے بچے کہاں ہوں گے؟ شوکی کے والد مشاق احمد خان نے سرد آہ بھری۔

"آپ ان کے بارے میں فکر مند نہ ہوں۔ وہ جہاں بھی ہوں گے، خیریت سے ہوں گے اور جلد لوٹ آئیں گے۔"

"کبھی کبھی میرے جی میں آتا ہے۔ ان کی گم شدگی

کے بارے میں انپکٹر کامران مرتضیٰ یا انپکٹر جمشید کو اطلاع دوں۔ یا تو وہ خود آ جائیں گے یا پھر کوئی کام کا مشورہ دیں گے۔" مشاق احمد بولے۔

"ایسا بھی کر لیتے ہیں۔ اگر وہ آسانی سے آ سکتے ہیں تو آ جائیں گے۔" کرنل فارانی بولے۔

"تو پھر۔ کیا خیال ہے۔ کیس فون؟" مشاق احمد خان نے کہا۔

"کریں۔" انپکٹر کاشان نے کہا۔

مشاق احمد خان نے اسی وقت فون کے نمبر لکھا۔

جلد ہی انپکٹر کامران مرتضیٰ کی آواز سنائی دی:

"اوہ۔ مشاق احمد صاحب۔ آپ ہیں؟"

"ہاں! آپ نے شوکی وغیرہ کے بارے میں خبریں

بڑھی ہیں؟"

"ہاں! پڑھ پچھے تھیں۔ اور میں ادھر آنے کا فیصلہ

آپ کے فون سے پہلے کرچکا ہوں۔"

"بہت خوب! تو آپ آ رہے ہیں؟"

"جی ہاں! آ تو رہے ہیں، لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"فرمائیں۔"

"آپ لوگ بالکل کچھ نہیں کریں گے، اس وقت حالات

جو ہیں، انھیں مجھوں کا توں رہنے دیں۔"

"بہت بہتر۔ ہم تو کافی پکھ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔" آفتاب بولا۔

"اس طرح کام خراب ہو سکتا ہے۔ جمال تک میرا اندازہ ہے۔ یہ کوئی معمولی چکر نہیں ہے۔ بہت بڑا چکر ہفت مسکرا یا۔"

"جب تمہاری عقل بالکل جواب دے جاتی ہے، یکوں ہے۔ سمجھ میں نہ آنے والا۔"

"او کے۔ آپ آ جائیں۔ ہمارے لیے یہی بہت ہے۔ ٹھیک ہے نا۔ فرحت نے اسے گھورا۔

"ٹھیک ہے۔ نکرنا کریں۔ میں اس وقت دفتر سے بھی نہیں۔ جب ہمیں کوئی سفر پیش آنا ہوتا ہے۔ بات کر رہا ہوں۔ رسیور رکھتے، یہ میں گھر کے لیے روانہ تریہ علامات شروع ہو جاتی ہیں۔ لہذا تم سفر کی تیاری ہو رہا ہوں۔ اور اس کے صرف ایک لگنٹے بعد، ہمیں کہا کرو۔ آصف۔"

"صرف تمہارے کافوں کی شائیں شائیں کی بنیاد پر۔" کے لیے روانہ نہ جائیں گے۔

"بہت بہت شکریہ۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا اور آفتاب کے لمحے میں حیرت تھی۔ رسیور رکھ دیا۔

"ہم اس کو نہیں مانتے۔" آفتاب مسکرا یا۔ ساتھ ہی وہ بہت زور سے چونکے۔

"اچا، بس۔" دیکھو۔ اب تو میرے دل نے بھی پکار پکار کر یہ کہا شروع کر دیا ہے۔ کہ کوئی سفر ہیش آنے والا ہے۔ لہذا جلدی تیاری کر لینی چاہیے۔ آصف

"ذجنے کیا بات ہے۔ میرے کافوں میں بہت زد نے کہا۔" سے شائیں شائیں ہو رہی ہے۔ آصف نے پریشانی کے "یجھے! اب ان حضرت کا دل بھی چل گی۔ ہم نے تو آج تک لوگوں کے دماغ ہی چلتے دیکھتے تھے۔ یہ ان عالم میں کہا۔

"اوہو۔ تم لاڑ رہے ہو۔ اور آباجان دروازے پر
کھڑے ہیں۔ حد ہو گئی۔" فرحت نے کہا اور دروازے کی
طرف دوڑ گئی۔ جونہی اس نے دروازہ کھولا۔ اچھل
کر اندر کی طرف گری۔ آفتاب اور آصف بھری طرح
بکھلا اٹھے۔

"ارے ارے۔ یہ کیا ہوا؟" آصف نے چلا کر کہا اور
اس کی طرف دوڑا۔

"خبردار آصف ٹھہر جاؤ۔" فرحت خود نہیں گری۔
لے گرا یا گیا ہے۔" ہائیں۔ لیکن گرانے والا کون ہے؟"

"میں نے اسے دیکھا نہیں۔" آصف نے اسے دیکھا ہے۔

آصف ٹھٹک کر رک گی۔ میں اس وقت انہوں نے
ایک بھیب سی مخلوق کو اندر آتے دیکھا:

"اُفت مالک یا یہ کیا ہے۔ انسان ہے یا ہاتھی؟" آصف
نے کہا۔

"ذی انسان ہے، نہ ہاتھی۔ ہونہ ہو۔ یہ بھوت ہے۔"
آفتاب لرزتی آواز میں بولا۔

"بھی بھوت۔" آصف نے گھبرا کر کہا۔
وہ واقعی کوئی جن بھوت لگتا تھا، اتنا اوچا، اتنا پھٹا

سب سے دو ہاتھ آگے نکل گئے۔" "سب سے صرف دو ہاتھ کوئی کس طرح آگے نکل سکا ہے۔ ہاں تمہیں یوں کہنا چاہیے تھا کہ یہ ان سب سے دو ہاتھ آگے نکل گئے۔"

"میرا خیال ہے، ہم نے ادھر ادھر کی باتوں کا ٹھیکہ
لے لیا ہے۔ دیے یہ ٹھیکہ اتنا زیادہ منافع بخش نہیں
ہے۔" فرحت نے منہ بنایا۔

میں اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"آباجان آگئے۔" "اور سفر کے لئے تیار ہونے کا حکم ساتھ لائے گیا۔
آصف نے فوراً کہا۔

"یاد اگر تمہاری یہ بات درست ہوئی نا۔۔۔ آفتاب
نے فوراً کہا۔

"تو کیا ہو گا؟" "میں تمہارا لوہا مان جاؤں گا۔" آفتاب مسکایا۔

"وہ تو اچھے اچھے مانتے ہیں۔" ایک تم بھی مان جاؤ۔
گے تو مجھے اس سے کیا فائدہ ہو گا؟"

"تو پھر۔ تب میں تمہارا سونا مانوں۔ چاندی مانوں۔"
آفتاب نے تملک کر کہا۔

اور آتنا موٹا تازہ انسان انھوں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ دروازے میں داخل ہوتے وقت قریباً دہرا ہو گیا تھا، ورنہ وہ تو اندر آہی نہیں سکتا تھا۔

"وہ۔ آصف فرحت؟ آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

آصف نے فرحت کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل بے ہوش پڑی تھی۔ دونوں کو خصہ آگیا:

"اب ہم اس دیو کے بچے کو بحق سکھا کرو ہیں گے۔ دیو کا بچہ اس کا جملہ سن کر ایسے انداز میں مسکرا یا۔

بیسے وہ واقعی دیو کا بچہ ہو۔ پھر وہ جھوٹا بھاہاتا آگئے۔ آصف نے اس کی کمر کی طرف جا کر اپنے سر کی ٹھکر ماری، لیکن وہ ہلا تک نہیں۔ اب آفتاب بڑھا اور ٹھکر ماری، لیکن اس ٹھکرنے بھی اس کا کچھ نہ بلکاڑا۔

آصف! ہاکیاں! آفتاب چلایا۔

ہائیں۔ تم نے مجھے ہاکیاں کہا۔ میں زیادہ سے زیادہ ایک ہاکی ہو سکتا ہوں۔ آصف نے اسے گھوڑا۔

"کیا کہتے ہو۔ تم ہاکی نہیں انسان ہو۔"

"اوہ اچھا۔ تو پھر ٹھیک ہے۔"

دونوں نے اس کونے کی طرف دوڑ لگا دی؛ جہاں ان کی ہاکیاں کھڑی تھیں۔ فوراً ہی وہ ہاکیاں یہے صحن کی آنکھیں۔

میں آئے۔ انھوں نے دیکھا۔ ایک گرسی چکنا چور ہو چکی تھی اور وہ فرش پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ اکڑوں بیٹھا ہوا بھی وہ ان سے کافی اونچا تھا۔ شاید اس نے گرسی پر بیٹھنے کی کوشش کی تھی، لیکن گرسی بے چاری کی بھی چیں بول گئی تھیں۔

"تت۔ تم نے ہماری گرسی بھی توڑ دی۔ اب اس کی قیمت بھی ہم تم سے وصول کریں گے۔" آفتاب نے جھے کٹے انداز میں کہا۔

وہ آفتاب کی یہ بات سن کر بھی ہنس پڑا۔ آفتاب نے ایک ہاکی اس کے سر پر زور سے ماری۔ اس نے دار کھانے یارو کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہاکی اس کے سر سے ٹکرائی اور ٹوٹ گئی۔

"ہائیں! یہ آج اس ہاکی کی بچی کو کیا ہوا۔ آفتاب نے حیران ہو کر اس کے ٹکرائے کی طرف دیکھا۔" لمحے۔ اب ہاکی کے بھی بچے ہونے لگئے۔ آصف نے جھلک کر کہا اور اپنی ہاکی اس کی کن پٹی پر رسید کر دی۔ ایک بار پھر ہاکی ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔

یہ تم نے کیا توڑ پھوڑ پچا رکھی ہے۔ اندر سے بیگم کامران مرزا کی آواز سنائی دی اور پھر وہ صحن میں آگئیں۔

ساتھ ہی انہوں نے چلّا کر کہا:
 "ہمیں - ہمارا صحن کہاں گیا؟"
 "کیا مطلب - آپ کو صحن نظر نہیں آ رہا۔" آفتاب کے
 لمحے میں حیرت در آئی۔
 "نہیں تو۔ مجھے تو صحن کی بجائے یہ چیز نظر آ رہی
 ہے۔ - یہ کیا ہے؟"
 "ابھی اس چیز نے اپنا نام نہیں بتایا۔" آفتاب نے
 منہ بنایا۔

"ہی، ہی، ہی۔" باریک سی ہنسی کی آواز سنائی دی۔
 "امّی جان! یہ آپ کی ہنسی کو کیا ہوا۔"
 "یہ میں نہیں۔ یہ ہنس رہا ہے۔" وہ بولیں۔
 "ہمیں - اس قدر تقدیم قائمت والی چیز کی ہنسی اتنی
 باریک سی۔ دبلي پتلی سی۔" آنچہ بولا۔

"دیکھا آپ نے۔ اب ہنسی بھی دبلي پتلی ہونے لگی۔"
 "کیسے دیکھ سکتی ہوں جسی۔ فی الحال تو صرف اسے
 دیکھ رہی ہوں۔ ارے یہ تمہاری ہاکیوں کو۔ ہمیں - ہاکیوں
 کی بات کر رہی ہوں۔ یہاں تو فرحت بھی بے ہوش
 پڑی ہے۔"
 "جی ہاں! ان صاحب نے بے چاری فرحت کو

دھکا دیا تھا۔ پتا نہیں، کتنا ہر س پاور کا دھکا تھا کہ یہ
 بے چاری پکھ کے بغیر بے ہوش ہو گئی۔ آفتاب نے منہ
 بسکر کہا۔

"ہوں! اور تم کھڑے باتیں بنارہے ہو۔ مارو اسے۔"
 "کوئی فائدہ نہیں اٹی جان۔ اس پہاڑ پر کوئی چیز اثر
 نہیں کرتی۔ آپ نے شاید ابھی تک اپنی گرسی کا حشر نہیں
 دیکھا۔ آفتاب مسکرا یا۔"

"ارے - یہ اس کو کیا ہوا؟"

"ان حضرت نے غلطی سے اس پر بیٹھنے کی کوشش
 کی تھی۔ یہ جانے بغیر اور سوچے۔ بغیر کہ وہ بے چاری
 صرف ایک کری ہے۔ اور یہ حضرت کیا ہیں۔ پتا نہیں۔"
 "اے سرط۔ تم کون ہو۔ اور کیا چاہتے ہو۔ جلدی
 بتاؤ۔ ورنہ یہاں ہاکیوں سے خطرناک چیزیں بھی موجود
 ہیں۔" آصف بولا۔

"جی۔ وہ۔ مجھے۔ ان پکڑ صاحب سے مٹا ہے۔"

میرے ابو گم ہو گئے ہیں۔
 "ہمیں۔ کیا فرمایا۔ آپ کے ابو۔ ارے باپ رے۔
 اگر آپ کا یہ عالم ہے۔ تو آپ کے ابو پتا نہیں کیا
 چیز ہوں گے۔"

یعنی اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

اگر آپ اپنے ابو کے سلسلے میں یہاں آتے تھے تو
آپ نے ہماری بہن کو بے ہوش کیوں کیا؟

"میں نہ تو صرف اسے ذرا سا دھکا دیا تھا۔" اس نے کہا۔

"ہاں! یہ بات بھی طبیعی ہے۔ اپنے آپ ذرا تیار ہو
جاو۔ ہمارے بھی ابا جان آگئے ہیں اور وہ تم جیسوں
کو چھٹی کا دودھ یاد کرانا جانتے ہیں۔"

"لیکن میں یہاں چھٹی کا دودھ یاد کرنے نہیں آیا۔
اپنے ابو کے سلسلے میں آیا ہوں۔"

آفتاب نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ انپکٹر کامران
مزرا اندر داخل ہونے اور جیلان ہو کر بولے:

"ارے باپ رے۔ کی میں کسی غلط گھر میں داخل
ہو گیا ہوں۔" انہوں نے ایک نظر ہر چیز پر ڈالتے
ہوئے کہا۔

"جی نہیں۔ گھر تو درست ہے، ہم ذرا نا درست
ہیں۔ اور یہ سب ان صاحب کی مہربانی سے ہے۔"

انپکٹر کامران مزرا نے اس کا جائزہ لیا۔ پہلے اس
کے گرد ایک چکر کاٹا۔ پھر فرحت کو اٹھا کر دوسروے
کمرے میں لٹا آئے۔

۸۵
"ہاں! اب کہو، کیا بات ہے؟"

"میرے ابوگم ہو گئے ہیں۔"

"پولیس میں جا کر رپورٹ درج کراؤ۔ درجنہ..."

"درجنہ کیا؟"

"تمہیں پکڑ کر بند کر دیا جائے گا۔ لوگوں کے گھروں
کی آکسیجن کم کر دیتے ہو تو۔ چلو بھاگو۔ میں تمہیں اچھی
طرح جانتا ہوں۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ آپ اسے اچھی طرح جانتے ہیں؟"

"ہاں! یہ ایک بھکاری ہے۔ لوگوں کے گھروں

میں اس طرح داخل ہو جاتا ہے۔ اور کتنا ہے۔ اس
کے ابوگم ہو گئے ہیں۔ لوگ ترس لھا کر اسے کچھ
دھے دیتے ہیں۔ دراصل اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔

ابھی دیکھتا ہے کس طرح جاتا ہے یہاں سے۔
یہ کہ انہوں نے سورپے کا ایک نوٹ اس

کی طرف بڑھا دیا۔

"بہت خوب مزا آگیا۔ چلو ایک وقت کا کچھ
تر جلا، ہو جائے گا۔ شو روپے سے۔ لوگوں نے تو
اکل کچھ دینا چھوڑ دیا ہے۔ اسی لیے آج آپ سے
والعطر تاکم کیا ہے۔"

”چلو یار، اب جاؤ۔ ایک تو تم نے میری بچی کو
لبے ہوش کر دیا۔ پھر ایک گرسی توڑ دی۔ دو ہائیں
توڑ دیں۔“

”تو پھر جناب! آپ مجھے حوالات، ہی بھجوادیں۔“ اس
نے ہاتھ بورڈ کر کہا۔

”نا بابا۔ جیل میں اتنا راش کہاں ہے آئے گا۔ پوری
جیل کی خوارک میں دو گنا اضافہ ہو جائے گا۔“

”یکن جناب! اس طرح تو میں بھوکوں مربعاوں گا،
لگوں نے اب مجھ سے دُور بھاگن شروع کر دیا ہے۔“

”اچھا کچھ سوچیں گے۔ اس وقت تم جاؤ۔ ہمیں
بہت ضروری کام ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ آپ نے وعدہ کیا ہے؟“

”ہاں! مجھے وعدہ یاد ہے۔“

”وہ اٹھا اور اسی انداز سے باہر نکل گی۔“

”شکر ہے۔ ہمارا صحن واپس آگا۔“ بیگم کامران مرزا
نے کہا۔

”چلو بھئی۔ ہمیں شوکی برادر کی طرف جانا ہے۔“

”وہ بے چارے تو اب تک گم ہیں۔“

”اسی لیے تو جا رہے ہیں۔ ان کی گم شدگی حد درجے

پڑا سرار ہے۔ خاص منصوبہ بنایا کہ انھیں اخوا کرنے کی
آخری ضرورت تھی۔ انھیں تو بہت آسانی سے بالکل
سیدھی طرح اخوا کی جا سکتا تھا۔ پھر آخر اس قدیم حکما
پھراؤ کی ضرورت تھی کہ پہلے ان کے پاس دو
زوجان آتے۔ انھوں نے ظاہر کیا کہ وہ سیٹھ روگڑ والا
کا کھیت خریدنے کے خواہش مند ہیں۔ ایسا کھیت۔
جس کی گھاس بہت طاقت ور ہے۔ اور اس کی گھس
کھا کر مویشیوں میں بے پناہ طاقت آ جاتی ہے۔ انھوں
نے اس کام کا معاوضہ پہلے وصول کیا اور اس کو بنک
میں جمع کر دیا۔ بعد کی کہانی تو خیر تم اخبارات میں
پڑھ، ہی چکے ہو۔ اب شوکی برادر کے گھر والے اور
دوسرے یہ چاہتے ہیں کہ ہم وہاں پہنچ کر ان کی تلاش
کے لئے میں بکوش کریں۔ اور ان کے فون سے بھی پہلے
میں خود یہ پروگرام بنایا چکا تھا۔“

”بہت نوبت! اس سے اچھی بات یہ ہو سکتی ہے۔ ہم
تیاری کریں پھر۔“

”ہاں بالکل۔ جانا، ہی، ہو گا۔“

”وہ تیاری میں مصروف ہو گئے۔ یعنی اس وقت
جب کہ وہ گھر سے باہر نکلنے کے لیے بالکل تیار ہو چکے

تھے۔ ان کے فون کی لفظی بھی۔ انپکٹر کامران مزا نے رسیور
اٹھایا تو دوسری طرف سے ایک کھردہ آواز سنائی دی:

”تو آپ بوگ شوکی برادرز کی تلاش میں جا رہے ہیں؟“
”آپ کون ہیں؟“

”بس یہ نہ پوچھیں۔ میں نے اگر کام بتا دیا تو ہوش
اڑ جائیں گے۔“

”اوہ۔ ایسی کیا بات ہے۔ آپ کے نام میں؟“
”آپ کو ایک مشورہ ہے۔“

”اور وہ یہ کہ ہم شوکی برادرز کی مدد کے لیے ذجاں“
انپکٹر کامران مزا نے کہا۔

”کسی نے پسخ ہی کہا ہے۔ عقل مند کو اشارہ کافی۔“
”افوس!، تم جائے بغیر نہیں رہ سکتے۔“

”خطرات ہی خطرات آپ کا سامنا کریں گے۔“
”کوئی پروا نہیں۔“

”اچھی بات ہے۔ میرا کام تھا، مشورہ دینا۔ دوسری طرف
سے کہا گیا اور پھر رسیور رکھ دیا گیا۔“

وہ گھر سے نکلے، ہی تھے کہ انپکٹر کامران مزا کی
پیشانی پر بدل پڑتے گے۔
”مجھے کچھ عجیب نہ احساس ہو رہا ہے۔ وہ بڑی طاقتے۔“

”آپ کا مطلب ہے۔ خطرے کا احساس؟“
”نہیں۔ ابھی کچھ نہیں کہ سکتا۔ کہ یہ احساس کس
قلم کا ہے؟“

”تو پھر چلیے۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے؟
”نہیں بھی۔ پہنچ میں غور کر لوں۔“

انھوں نے کہا اور سوچ میں گم ہو گئے۔ آخر وہ بونے:
”صحن کی تلاشی لو۔“

”جی۔ کیا فرمایا۔ تلاشی لیں۔“
”لوں! تلاشی۔“

”وہ صحن تلاشی لینے گئے۔ ایسے میں فرحت بولی:
اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اس نے مجھے دھکا دیا
تھا۔ یکن وہ دھکا خالمانہ انداز کا نہیں تھا۔ یوں لگا
تھا، جیسے وہ رٹا کھڑا یا ہو۔ اور میرا سہارا لینے کے پھر
میں مجھے دھکا لکھ گیا ہو۔“

”خیر۔ پھر۔ قلم کیا کہنا چاہتی ہو؟“

”حررت اس بات پر ہے کہ میں بے ہوش یکوں ہو
گئی تھی۔ یہ چوت تو ایسی نہیں تھی۔“

”اوہ! یہ تو واقعی عجیب بات ہے۔“ انپکٹر کامران مزا
نے کہا۔

انھوں نے جلدی جلدی پورے صحن کی تلاشی لی۔
لیکن کوئی ایسی ویسی چیز نہ مل سکی۔

”میرا خیال ہے۔ چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ یہ سب
ہمارا وقت ضائع کرنے کی کوشش ہو۔“ آصف نے کہا۔

”ایسا ہی لگتا ہے۔“

”ارے۔ یہ۔ یہ۔ یہ کیا۔“

فرینٹ کے منہ۔

کی رنگ

انھوں نے دیکھا، فرحت کا ہاتھ اپنے سر پر تھا۔

اور سر پر ایک کلب لگا ہوا تھا۔

”یہ تو صرف ایک کلب ہے۔“ انپکٹر کامران مزا بولے۔

”لیکن انکل، یہ میرا نہیں۔“

”لماں۔“ ان الفاظ کے ساتھ، ہی انپکٹر کامران مزانے
باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

”اس کا مطلب ہے۔ وہ دیوتا ملت آدمی۔ یہ کلب
اس وقت میرے بالوں میں لگا چکا تھا۔ جب میں گری۔“

”ہاں! یہ دھکا چکو اسرار قسم کا تھا۔ ایک طرف تو
اس نے بالوں میں یہ کلب لگایا، دوسری طرف تھیں دھکا
بھی دیا اور تیسرا طرف تھیں کسی طرح بے ہوش بھی کیا۔
تاکہ تم فوری طور پر اس کلب کے بارے میں نہ جان لو۔“

Downloaded by Nadeem For UrduFanz.com

"اور ابا جان اب اسے پکڑنے کے ہیں۔"

"اسے پکڑنا کیا مشکل ہے۔ وہ زیادہ دُور تو گی نہیں ہو گا۔"

"جِرَت کی بات یہ ہے کہ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ دیوقامت سے تو یہ کام لیا گیا ہے بس، یونکہ وہ یہاں بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ کسی نے اسے پکھ دے کر یہ کام لے لیا۔ آصف نے کہا۔

"میرا دل نہیں مان رہا یہ بات۔ فرحت بڑی بڑی۔"

"کون سی بات نہیں مان رہا تمہارا دل؟ آفتاب نے منہ بنایا۔

"یہی۔ کہ کسی نے اس سے یہ کام لیا ہے۔ ذرا سوچو۔ ایک بھکاری آدمی جو اس قدر ڈیل ڈول کا مالک بھی ہو۔ اور جو آسانی سے مل جل بھی ہے سکتا ہو۔ بھلا وہ اس قدر پھر تھے سے یہ کام کر سکتا ہے۔"

"واقعی۔ یہ بات تو بہت خود طلب ہے۔"

"اور شاید اسی یہے ابا جان اس کے پیچے دوڑے ہیں۔ آفتاب بولا۔

"افسوس! ہم یہیں کھڑے رہ گئے۔ ہمیں چاہیے تھا۔ ہم بھی ان کے پیچے دوڑ جاتے۔"

"چلو خیر۔ کوئی بات نہیں۔ آفتاب بولا۔
پھر پندرہ منٹ گزر گئے۔"

"جِرَت ہے۔ ابا جان تو اب تک واپس نہیں آئے۔
پورے پندرہ منٹ گزر گئے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت دُور نکل چکا ہے۔ آصف نے کہا۔

"کم از کم وہ کسی ٹیکسی کے ذریعے تو گیا نہیں ہو گا۔
یونکہ ٹیکسی میں تو وہ سماں ہی نہیں سکتا۔ صاف ظاہر ہے،
پیدل گیا ہو گا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ کوئی بڑی گاڑی اس کو یہاں کے جانے کے لیے بالکل تیار کھڑی ہو۔"
اوہ! اگر یہ بات ہے تو..."

اُسی وقت انپکٹر کامران مزا اندر داخل ہوتے۔ ان کے پھرے سے اُبھن اور پریشانی ٹیک رہی تھی۔

"نہیں بھی۔ میں لے کے نہیں پا سکا۔ جب کہ میں نے اُج سے پہلے اسے ہمیشہ مسلم بازار میں لکھوٹتے اور بھیک مانگتے دیکھا ہے۔ اور مسلم بازار ہمارے گھر سے زیادہ

دُور نہیں ہے۔"

اس کا مطلب ہے۔ وہ یہاں سے پیدل نہیں گیا۔

کسی گاڑی پر بیٹھ کر فرار ہوا ہے۔

"خیر۔ ہمیں اس سے کیا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ کسی کو کیا ضرورت تھی۔ یہ کلب بالوں میں لگانے کی"

"یہ مجھے دکھاو۔"

انھوں نے کلب پے کر الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اور پھر ان کے ساتھ باہر نکل آئے۔ اب ان کا رنج پروفیسر خوری کی طرف تھا۔

پروفیسر خوری نے ان کا استقبال گرم جوشی سے کیا۔ "ستا ہے نکل۔ اس مرتبہ آپ ایک عدد کیس انکل جیٹی والی تمام گفت گو وہ لوگ سنتے رہیں۔" کے ساتھ کر کے آئے ہیں۔

"ہم کر کے کیا آئے ہیں۔ ہم تو وہاں پھنس گئے تھے انپکٹر جنیڈ پارٹی نے ہمیں اس مصیبت سے نکالا تھا۔ وہ شکر ہے۔" وہ بولے۔

"وہ پھیونٹیوں والا چکر۔"

"ہاں! اب وہ تمام رو بوٹ ہماری حکومت کے قبضے میں ہیں اور ہم ان سے کام لیں گے۔ ڈمن ملک سے جنگ چھڑی تو بہت ہی کام آئیں گے۔"

"اس وقت ہم آپ کے پاس اس کلب کے سلسلے میں یہ قائمت کا خیال آ رہا تھا۔ اور غصہ بھی کہ اس قدر موٹا آئے ہیں۔"

یہ کہ کر انھوں نے کلب ان کی طرف بڑھا دیا۔

انھوں نے اس کو الٹ ملٹ کر دیکھا اور پھر آلات کے ذریعے چیک کرنے لگے، آخر انھوں نے کہا:

"یہ آوازیں پہنچ کرنے کا آلہ ہے۔ اس کا ایک دوسرا حصہ کہیں اور ہو گا۔ اس طرف ہونے والی تمام بات چیت ان تک پہنچ رہی ہو گی۔"

"ہوں۔ خیر۔ اس کے کو آپ بطور امانت رکھیں۔"

یکیں پہلے اسے بے کار کر دیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں ہونے والی تمام گفت گو وہ لوگ سنتے رہیں۔"

"آخر کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"لکھنئی تو ضرورت۔ ارے ہاں۔ ہم دراصل شوکی برادری کی تلاش میں نکل رہے تھے۔ ہو سکتا ہے۔ یہ اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ وہ چاہتے ہوں کہ دورانِ سفر اور وہاں پہنچ کر بھی وہ ہماری گفت گو سنتے رہیں اور اپنا پروفگرام طے کرتے رہیں۔"

"ہوں! بات تو ٹھیک ہے۔ خیر۔ اب ہم مزید رُک نہیں سکتے۔"

وہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ رہ رہ کر انھیں اس دیوار قائمت کا خیال آ رہا تھا۔ اور غصہ بھی کہ اس قدر موٹا

کرنل فارانی اور اکبر را ٹھوڑ کو بھی چھوڑ کر ادھر آیا تھا۔

”تب پھر ذرا تم جلدی سے ان کے ہاں فون کر کے معلوم کرو۔ اور پھر ہمیں رنگ کرو۔“

”بھی بہتر۔ اپکٹر کامران مزانے کما۔“

دس منٹ بعد فون کی لفھنٹی بھی۔ اپکٹر کاشان حیرت میں ڈوبی آواز میں کہ رہا تھا:

”حیرت انگریز خبر سننے سر۔ ن تو کرنل فارانی گھر پر موجود ہیں۔ ن اکبر را ٹھوڑو۔“

”اس کا مطلب ہے۔ اب انہوں نے باقی لوگوں کو بھی غائب کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ آخر یہ چاہتے کیا ہیں؟“

”کچھ بمحض میں نہیں آ رہا۔“

”ایک بات ہے۔ تو پھر ہمیں آ جاؤ۔ ہم ذرا گھر کا جائزہ لے لیں، پھر یہٹھو دو گڑ والے سے بات کریں گے۔“

”اوے کے سر۔“

انہوں نے تکال کھول ڈالا۔ اندر ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی دھینکا مشتی نہیں ہوئی تھی۔ ان لوگوں کو آرام اور سکون سے، ہی انہوا کر لیا گیا تھا۔ فرش پر ایک کی رنگ ضرور پڑتا تھا۔ اس

آدمی بھی انھیں چکر دے کر چلا گیا۔

تین گھنٹے کے سفر کے بعد وہ شوکی کے شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ انہوں نے فوری طور پر شوکی کے گھر کا رُخ کیا۔ یہ دیکھ کر ان کی حیرت اور بڑھ گئی کہ دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور اس تالے میں ایک کاغذ پھسا رہا تھا۔ اپکٹر کامران مزانے کا گذ نکال تر سیدھا کیا۔ اس کی سلوٹیں دُور کیں۔ انہوں نے دیکھا، کاغذ پر کھا تھا:

”اپنے ساتھیوں کی تلاش ہے تو پھر سیدھے الگا ہی کے میدان میں آ جاؤ۔ وہیں مقابلہ ہو گا۔“

”اگار ہی کا میدان۔“ وہ بڑھاتے اور پھر انہوں نے اپکٹر کاشان کے نمبر ملا تے۔ اس کی آواز سننے، ہی وہ بولے: ”سلام علیکم بھائی۔ اپکٹر کامران مزا بات کر رہا ہو۔“

”اوہو! آپ آگئے۔“

”ہاں! آ تو گئے ہیں، لیکن یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔“

”کیا مطلب۔ آپ کہاں کی بات کر رہے ہیں؟“

”شوکی کے گھر کی۔ یہاں نہ شوکی برادرز کے والد ہیں ن والدہ۔“

”ارے! یہ کہاں پلے گئے۔ بلکہ ان کے ساتھ تو میں“

میں دو چابیاں بھی تھیں۔ کی زنگ میں ایک نخا سا زناز بجوتا بھی ٹلک رہا تھا۔ اس قسم کے زنگ وہ پہلے بھی دیکھ چکے تھے:

”رسی کی حیب سے بس یہ کی زنگ گر گیا ہے اور یہاں کوئی گڑ بڑ نہیں ہے۔“ انپکٹر کامران مزا نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ ہم یہ روگڑ والا سے بات کر لیں چاہیے۔“
ابھی وہ باہر نکلے ہی تھے کہ انپکٹر کاشان آگئیا:

”چھ ملا سرہ“

”صرف ایک کی زنگ۔ اس دو چابیاں ہیں، ایک زنا جوتا۔ وہ مسکراتے۔“

”تو اب آپ یہ روگڑ والا سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس بے چارے کو تو کچھ بھی معلوم نہیں۔ اخبارات میں جو کچھ اس نے پڑھا۔ بس وہی اسے معلوم ہے۔“

”ہم بھی دو چار باتیں پوچھ لیں گے۔“ انپکٹر کامران مزا نے کہا۔

”تو پھر چلیے۔“

”وہ اسے لے کر یہ روگڑ والا کی کوٹھی پہنچے۔“
”یہ ہے وہ کوٹھی۔ جہاں شوکی برادرز آتے تھے۔“

کھت کا سورا کرنے۔ لیکن یہاں آ کر انھیں پتا چلا کہ یہ روگڑ والا کا کوئی کھت نہیں ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ روگڑ والا نے اپنا کوئی کیس حل کروانا چاہا تھا۔ اب اس شخص کا بیان ہے کہ یہ وہ یہ روگڑ والا نہیں ہے۔ اصلی روگڑ والا ہے۔ وہ کوئی نقلی تھا۔ ہم ملاقات کر کے یہ اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ اصل چکر کیا ہے۔“

آصف نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ملازم نے دروازہ کھولा:

”ہم لوگ یہ صاحب سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔ انھیں اطلاع کریں۔“

”آپ ڈرائیگ روم میں تشریف رکھیے۔“
وہ انھیں شفہ کر چلا گیا، جلد ہی قدموں کی آواز اُبھری اور یہ روگڑ والا اندر داخل ہوا۔ اور ان سب کو دیکھ کر حیران ہو گیا:

”خیر تو ہے جناب؟“

”یہ انپکٹر کامران مزا ہیں۔ یہ ان کے بچے ہیں۔“
شوکی برادرز کی تلاش میں آئے ہیں۔“

”لیکن جلا اس مسئلے میں میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟“
”ہم تصدیق کراچے ہیں۔ آپ دوسرے ملک میں رہتے

چاہتا ہوں۔”
”فروری کیوں نہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ اس نے کہا۔

انپکٹر کامران مرزانے اس کے چہرے کو اچھی طرح پیک کیا، لیکن میک آپ کے آثار نظر نہ آتے۔

”آپ نے تین سال کہاں گزارے۔ ملک کا نام اور اپنا وہاں کا پتا لکھوا دیں۔“

”اچھی بات ہے۔ میں اونکاوا میں رہا ہوں تین سال تک۔“ اس نے کہا۔

”اونکاوا۔ وہاں کا پتا۔ دخیرو۔“

اس نے سب کچھ لکھوا دیا۔

”آپ مجھے اپنا پاسپورٹ دکھائیں گے ذرا۔“
”جی پاسپورٹ۔ وہ۔ وہ۔“ اس نے ہمکار کر کہا۔

”کیوں کیا ہوا؟“

”ایر پورٹ سے میکسی میں بیٹھ کر جب گھر آیا تو جیب میں پاسپورٹ نہیں تھا۔ نہ جانے وہ کہاں گر گیا۔“

”آپ نے اس کی کم شدگی کی رپورٹ درج کرائی؟“
انپکٹر کامران مرزانے پوچھا۔

”جی ہاں! بالکل کرائی۔“

رہے ہیں۔ اور ابھی چند روز پہلے، ہی یہاں آتے ہیں۔
ہم یہ بھی جانتے ہیں، آپ کا اس تمام معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ کا اس معاملے سے ایک تعلق ہے۔ انپکٹر کامران مرزانے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا مطلب۔ کیا تعلق ہے میرا۔“ اس نے پونک کر کہا۔

”آخر اس شخص نے آپ کا نام اور کوئی بھی کیوں استعمال کی؟“

”یہ بات بھی آپ اسی سے پوچھیں۔ میں کیا کہ ملک ہوں۔ سوائے اس کے کہاے یہ کوئی آسانی سے کرائے پر مل گئی۔ اور اس نے میرا روپ دھار لیا۔ تاکہ بعد میں پکڑنا نہ جاسکے۔“

”ہوں۔ بات آپ کی معقول ہے۔ لیکن ایک بات اور بھی تو ہو سکتی ہے۔“

”اور وہ کیا؟“

”یہ کہ آپ اب بھی نقلی روگڑ والا ہی ہوں اور آپ نے آپ اس کوئی پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہو۔ لہذا میں آپ کے چہرے پر میک آپ کے آثار دیکھنا

"اس کا نمبر بھی بتا دیں۔ تاکہ ہم رپورٹ چیک کر سکیں؟" اس نے مسکرا ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی کی آواز تھی۔ "اس نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ! اب ہم چلتے ہیں۔"

وہ باہر نکل آئے۔ انپکٹر کامران مرزا کسی گھری سوچ میں گم تھے۔ اچانک وہ بولے:

"انپکٹر کاشان۔ وہ آواز کسی جانور کی نہیں تھی۔"

"تو پھر سر؟"

"کسی آئے کی تھی۔"

"اوہ! ان کے منڈ سے نکلا۔"

"اور میں چاہتا ہوں۔ اس آئے کو دیکھ کر، ہی یہاں سے جاؤں۔ لہذا تم سب یہیں ٹھہر دو۔ میں اندر ہو کر آتا ہوں۔"

"اوہ آپ اندر جائیں گے کیسے؟"

"میں اندر جانے کا راستا پہلے ہی فوٹ کر چکا ہوں۔" یہ کہ کرو وہ تیزی سے ایک درخت کی طرف بڑھ گئے۔ درخت بہت اونچا تھا اور اس کی ایک موٹی شاخ کوٹھی کی چھت تک جا رہی تھی۔ ایک منٹ بعد وہ چھت پر نظر آئے۔ ان کی تیزی پر آفتاب تک جیرت نہ رہ گیا۔ پھر وہ ایک طرف ہٹ آئے، دروازے

اس نے رپورٹ کا نمبر بھی لکھوا دیا۔

"ایک بات کا خیال رہے مشر روگڑ والا۔" انپکٹر کامران مرزا یہاں تک کر کر رک گئے۔

"جی فرمائیے؟" اس نے فوراً کہا۔

"اگر آپ وہی روگڑ والا ہیں۔ جس سے شوکی برادری اور ان کے گھر والوں اور دوستوں کو اغوا کیا ہے تو یہ سودا آپ کو بہت منگا پڑے گا۔"

"شکریہ! میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ لہذا مجھے کوئی سودا منگا نہیں پڑے گا۔ آپ بھی یہ بات سن لیں۔" اس نے تک کر کہا۔

"کُن لی۔ اور آپ کا شکریہ؟" یہ کہ کرو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

میں اس وقت ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ انپکٹر کامران مرزا نے فوراً یہٹھ روگڑ والا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر قدرے انجمن کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"یہ کسی آواز تھی جناب؟"

"یہ۔ کوٹھی کے پچھلے حصے میں میں نے کچھ جانور پالے

پر کھڑے رہنا ان کے لیے مناسب نہیں تھا۔

انپکٹر کامران مرزا چھت سے زینے کی طرف آئے، زینہ کھلا ہوا تھا۔ وہ مسکرا دیے اور نیچے اترتے چلے گئے۔ انھیں سیٹھ روگڑ والا کہیں بھی نظر نہ آیا۔ ایک کمرے میں ملازم ضرور اونگھ رہا تھا۔ انھوں نے دبے پاؤں پوری کوٹھی دیکھ ڈالی۔ اس وقت انھیں یہ بانتے بھی معلوم ہوئی کہ سیٹھ روگڑ والا اکیلا رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ملازم کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا۔ اب جیب بات یقینی کہ وہ کسی کمرے میں بھی نہیں تھا۔ باقاعدہ ردم وغیرہ بھی انھوں نے چیک کر لیے۔

اس کا مطلب ہے۔ اس کوٹھی میں کوئی تھا خانہ بھی ہے۔ انھوں نے دل میں کہا۔ اب وہ اس شخص کو مزید کوئی موقع نہیں دے سکتے تھے۔ لہذا فوراً ملازم والے کمرے میں آئے۔ وہ چونکہ کھڑا ہو گیا:

”آپ۔ یعنی کہ آپ تو چلے گئے تھے؟“

”اہ! چلاتا تو گیا تھا، لیکن پھر آ گیا۔ تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ کوٹھی کا دروازہ اندر سے بند ہے اور تمہارے سیٹھ صاحب نہیں ہیں۔“

”نہیں، نہیں۔ کیا مطلب؟“

”میں تو انھیں ایک ایک کمرے میں دیکھ چکا ہوں۔“
”یہ کسے ہو سکتا ہے؟“

”یعنی تو ہم جانتا چاہتے ہیں۔“

اب ملازم کو بھی ساتھ لے کر پوری کوٹھی دیکھ ڈالی گئی۔ پھر انپکٹر کامران مرزا نے دروازہ کھول کر باقی ساقیوں کو بھی اندر بیلا یا:
”کیا معاملہ ہے؟“

”سیٹھ روگڑ والا غائب ہے۔ وہ کسی کمرے میں نہیں، جب کہ تمام دروازے اندر سے بند ہیں، اب میں نے صدر دروازہ کھولا ہے۔“

”اور آپ اندر کس راستے سے آئے تھے؟“ ملازم نے چران یو کر کہا۔

”چھت کے راستے۔“ وہ بولے۔

”حیرت ہے۔“

”نہیں۔ حیرت نہیں، تھا خانہ ہے اس کوٹھی میں۔“ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

”چلو جلدی تلاش کر دے۔ کیس وہ نیچے ہی نیچے کیس اور نہ نکل جائے۔“

”ارے باپ رے۔ نیچے ہی نیچے تو پھر وہ پاتال۔“

میں ہی جائے گا۔ آفتاب گھبرا گیا۔

"یاد تم کام کرو۔ انپکٹر کامران مزا جھلا آئے۔

اور پھر وہ تھانے کی تلاش میں جوڑ گئے۔

تھانے کا راستا انھیں کیسی بھی نہ مل سکا۔

"ہم سے ضرور کوتی بھجوں ہم تو ہی ہے۔ یا ہم کسی پھیز کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ بہتے ہی احتیاط سے پلوری کوٹھی کا حائزہ لینا چاہیے۔ تب جاؤ کہ تھانے کا راستا ملے گا۔ انپکٹر کامران مزا نے پُر کون انداز میں کہا۔

انھوں نے بغور جائزہ شروع کیا۔ فرحت ایک کمرے کے فرش میں آخر ایک جگہ ایک عجیب بات نظر آئی۔ اس نے سب کو دیاں جمع کر لیا اور بولی:

"اس فرش کو بغور سے دیکھیں۔"

"مجھے تو یہ فرش ہی نظر آ رہا ہے۔ آفتاب بولا۔

"تمہاری کیا بات ہے۔ انکل آپ دیکھیں۔"

"ہاں! میں دیکھ رہا ہوں، اس فرش میں اور دوسرے کروں کے فرش میں کچھ فرق محسوس تو ہوتا ہے۔ ٹھہرہ۔ میں اس پر اچھل کو دیکھتا ہوں۔"

یہ کہ کر انھوں نے فرش پر تین چار چلانگیں لگائیں۔

"اواز ٹھووس نہیں ہے۔ نیچے خلا ضرور ہے۔ اور اب وہ فرق بھی میری بحث میں ہاگیا۔ انپکٹر کامران مزا بولے۔

"لگ۔ کون سا فرق؟"

فرش کا فرق۔ دوسرے کروں کے فرش میں یہ حاشیہ نہیں ہے۔ انھوں نے کمرے کی دیوار سے نصف میٹر دوڑنگئے گئے حاشیے کی طرف توجہ دلائی۔

"اوہ اوہ! ان سب کے منہ سے نکلا۔ چھوٹوں پر حیرت دوڑ گئی۔

اور پھر انھوں نے اس حاشیے کے ایک ایک اپنے کو بغور دیکھنا شروع کیا۔ آخر ایک جگہ ایک چوکور نشان رنگ میں چھپا ہوا نظر آیا۔ اب جو اس نشان کو دیا یا گیا تو کمرے کے فرش سے صندوق کے ڈھکنے کی مانند ایک ٹکڑا ابھر گیا اور زینہ انھیں نظر آنے لگا۔

"خیروار وہ ملخ ہو سکتا ہے۔ اگر تھانے میں ہے تو پھر ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔ لہذا ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" یہ کہ کر انھوں نے بلند آواز میں کہا:

"میٹر دوڑ والا! ہم تھانے کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ آپ کے حق میں بہتر یہی ہے کہ آپ اوپر آ جائیں۔ اور خود کو قانون کے حوالے کر دیں

اور انہیں یہ بتائیں کہ شوکی برادرز اور ان کے ساتھی کہاں
ہیں۔ اور انہیں کس مقصد کے لیے اغوا کیا گیا تھا۔
اگر آپ اُپر نہ آئے تو پھر ہم اس تھانے کو
گیس سے بھر دیں گے۔ آپ دوسری دنیا کو سدھار
جائیں گے۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے۔ کیا پسند
کرتے ہیں؟

یعنی روگڑ والا کی طرف سے انہیں لوئی جواب نہ ملا،
انہوں نے جملے ایک بار پھر دھرائے۔ آخر انیسٹر کامران
مزہ نے کہا:

”اب گیس کا انتظام کرنے میں تو وقت لگ جائے
گا۔ صرف میں تھانے میں اترنے کا خطہ مول یافتہ ہوں۔
”نہیں، انکل۔ میں جاتا ہوں۔“

”ہرگز نہیں۔“ انہوں نے سخت لمحے میں کہا اور یونچے
اترتے چلے گئے، پھر جلد ہی ان کی آواز سنائی دی:

”یونچے آ جاؤ بھی۔ وہ یہاں نہیں ہے۔“

اب وہ سب یونچے اترے گئے۔ تھانے میں بلب
روشن تھا۔

”یہ رہا وہ راستا۔ جس سے وہ فرار ہوا ہے۔
مُرُنگ نہ اڑتا۔“

”گویا اب ہمیں اس سُرنگ میں بھی چن پڑے گا۔“
آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

”ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ انیسٹر کامران مزہ مکراتے۔
”بھی اگر تمہاری جان نکلی جا رہی ہے۔ تو تم ہمیں
نہ کر رہا تھا انتظار کر دے۔“ فرحت نے جھلک کر کہا۔

”بہت بہت شکریہ! میں پوری طرح پوکن رہ کر انتظار
کر دیں گا۔“ اس نے خوش ہو کر کہا۔

”اچھا یہ بات ہے۔ تب تو پھر سب سے آگے تم
چلو گے۔“ انیسٹر کامران مزہ نے کہا۔

”یا اللہ رحم۔ ایا جان۔ یہ تو سوچیے کہ سُرنگ کے
دوسرے سرے پر وہ پستول لیے کھڑا ہو گا۔“ اس نے
کھڑا کر کر کہا۔

”یہ تو ہم چاہتے ہیں۔ وہ نکل نہ جائے۔ اور ہم
اسے پکڑ لیں۔“

”چاہے۔ ہم میں سے کسی کی جان نکل جائے۔“
”عجیب حق ہو۔ وقت آتے بغیر کیسے کسی کی جان
نکل سکتی ہے اور اگر وقت آگیا ہے تو میں روک کس
طرح سکتا ہوں۔“

”اوہ ہاں! یہ بات تو میں بھول دی گی تھا۔“ آفتاب نے

چونکہ کر کما۔

”حالانکہ یہ بات ہمیشہ ہر لمحے یاد رکھنے کی ہے۔“

”اب نہیں بھولوں گا۔ اور سب سے آگے چلوں گا۔“
اس نے کہا۔

”بھئی دیکھو لو۔ کیس ہارٹ فیل ہو جائے۔“

”بب۔ بے چارہ کب تک پاس بھوتار بے گا۔ آفر کو
ایک دن فیل ہو ہی جائے گا۔“ آفتاب نے بے چارگی کے
عالم میں کہا۔

”گل۔ کون فیل ہو جائے گا؟“ فرحت نے پوچھا۔

”دل۔ اور کون؟“

”اوہ اچھا دل۔ پتا نہیں، آج کل کے دلوں کو کیا
ہو گی ہے۔ جسے دیکھو۔ فیل ہو رہا ہے۔ ہے کوئی تک
آصف مسکرا یا۔“

”اب یہ دونوں میرا مذاق اٹلانے پر تسلی گئے ہیں ابا
جان۔ لہذا اس سے یہ بہتر ہے کہ میں مُسْرِنگ میں
نکل جاؤں۔ آؤ دیکھوں نہ تاؤ۔“

”آؤ اور تاؤ کو دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔“ الجھن، سی ہوتی
ہے۔ فرحت مسکرائی۔

آفتاب نے اسے گھوڑا اور مُسْرِنگ میں چل پڑا۔ بالی
خیال میں تو اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ

لگ اس کے پیچھے چلنے لگے۔ پچھے ڈور جا کر مُسْرِنگ بالکل
تاریک ہو گئی۔ پہلے تو تھے خانے میں ہونے والی روشنی
کی وجہ سے کسی حد تک روشنی رہی تھی۔ اب وہ انہوں
کی طرح ٹٹھوں ٹٹھوں کر چلنے لگے۔

”ابا جان۔ یہ۔ یہ تو بالکل تاریک ہے۔“

”تو پھر ٹاریچ نکال لو۔“ انپکٹر کامران مزرا ہنسنے۔

”ن۔ نہیں۔ تاریکی، سی ٹھیک ہے۔“

وہ سمجھ رہے گئے۔ وہ ٹاریچ روشن کرنے سے کیوں
خون کھا رہا تھا۔ اس کے خیال میں یہ سچھ روگڑ والا دوسرا
سرے پر موجود تھا۔

”ویسے ابا جان۔ یہ روگڑ والا کیا نام ہوا؟“

”پپ۔ پتا نہیں۔ اس سے پوچھ کر ہی بتا سکتا ہوں۔“
”لہو۔“

”روگڑ والا تو گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا ہے۔
بکھی پچھے نظر آتا ہے۔ بکھی پچھے۔ اور کسی حرکت کا اب
تک کوئی مقصد نظر نہیں آیا۔ سوانی اس کے کہ
شوکی برا درز کو انداز کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے بھی
اکنہ حدد رہے گھماڑ پھراڑ والا طریقہ اختیار کیا۔ میرے
خیال میں تو اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ

ہی سمجھ گیا تھا۔ یہ بات تو ابھی مُرنگ میں سفر کے دوران
مچھے محسوس ہوئی ہے۔"

"تو لوٹ چلتے ہیں۔ ابھی کیا بگڑا ہے؟"

"لیکن پھر روگڑ والا سے ملاقات نہیں ہو سکے گی اور
جب تک اس سے ملاقات نہ ہو جائے، ہم شوکی برادرز
کو تلاش نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ اب تو میں محسوس کر رہا
ہوں کہ ہم کسی معمولی کیس میں نہیں۔ بہت بڑے معاملے
میں الجھ چکے ہیں۔ اس مُرنگ کی بناوٹ اس طرف
اشارہ کر رہی ہے۔ ہم تو خیر کیا۔ ابھی تو یہاں سے انپکٹر
جمشید پارٹی کو بھی گزرنا پڑے گا۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ ان لوگوں کو بھی گزرنا پڑے گا۔
ہاں! اس طرح کہ۔ وہ اب ہماری اور شوکی برادرز
بھی اس کے پروگرام میں شامل ہے۔"

کی تلاش میں نکلیں گے۔"

"یا اللہرحم۔ اب تو مارے گھبراٹ کے میری واقعی جان
نکلی جا رہی ہے۔ آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"تو پھر۔ تم لوٹ جاؤ۔" فرحت نے مشورہ دیا۔

"میں اکیلا کس طرح لوٹ جاؤ۔" اس نے بھتنا کر کہا۔

"ہم میں سے تو کوئی تمہارا ساتھ دے گا نہیں، یونک
سے نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اب یہٹھ روگڑ والا نکے جاں

بانکل سیدھے طریقے سے بھی انھیں انخوا کر سکتا تھا۔ آصف
نے جلدی جلدی کہا۔

"بات تمہاری ٹھیک ہے۔ اگر وہ اس قدر پر اسرار طریقہ
اختیار نہ کرتا تو ہم یکوں ہتھے۔ یہی خیال کرتے کہ
شوکی برادرز کسی کیس کے سلسلے میں ڈور نکل گئے ہیں۔
جائیں گے۔"

لماں۔ آپ نے کیا کہا۔ ہمیں کس طرح بتا چلا۔

"ہاں! اصل میں تو روگڑ والا یہ چاہتا تھا کہ ہم اس
کی طرف متوجہ ہو جائیں۔"

"اور ہم ہو گئے ہیں۔ اب۔"

"ہم جو اس وقت مُرنگ میں سفر کر رہے ہیں۔ یہیں
فرحت گھرا کر بولی۔"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

"اگر آپ کے خیال میں ہم اس کے جاں میں بھنس
گئے ہیں تو پھر آپ یکوں پھنسنے۔ جب کہ آپ پہلے، ہی
اس کی چاں کو سمجھ گئے تھے۔ آصف نے اعتراض کیا۔

"یہ میں نے کب کہا۔ کہ میں اس کی چاں کو پہلے

میں پھنس کر رہیں گے۔ آصف مسکرا یا۔

”اسی کو کہتے ہیں۔ آبیل مجھے مار۔ آفتاب نے جل کر کاہ۔

”یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ اس کو کہتے ہیں یا کس کو۔

برحال ہم بیل کو دعوت نہیں دے رہے، بیل نے ہمیں

دعوت دی ہے کہ آؤ۔ مجھے مارو۔“

”یکن ہم بیل کو مارنے کی پوزیشن یہی نہیں ہیں۔ بیل

ہماری تاک میں ہو گا۔ آخر یہ سُرگ نگ اس کی ہے، ہماری

نہیں۔ آفتاب نے کہا۔

انپکٹر کامران مرزا ہنسنے لگے:

”یہ ہنسی کا کون سا موقع ہے آبا جان؟“ آفتاب نے حیران

ہو کر کہا۔

”تمہاری جھلاتہٹ پر ہنس رہا ہوں۔“

”خیر۔ ہنس لیجیے آپ بھی۔“ اس نے کہا۔

”یہ سُرگ تو شاید شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہے۔

ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی۔“

”اگر یہ شروع ہوئی ہے۔ تو ختم بھی ہو گی۔ فکر نہ کرو۔

آصف ہنسا۔

”ان حالات میں فکر بھی نہ کریں۔ کمال ہے۔“ آفتاب

نے کہا۔

گھپ اندر سے میں وہ ہاتھوں سے ڈھول کر سُرگ میں
آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے اور ساتھ میں وہ باشیں بھی
کیے جا رہے تھے۔ ایسے میں اچانک روشنی کی ایک کرن
انھیں نظر آئی۔

”یہ۔ یہ روشنی کی کرن تو بالکل امید کی کرن لگتی ہے۔“
آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”بشر طیکہ دوسری طرف سیٹھ روگڑ والا نہ بیٹھا ہو۔“ آصف
نے فوراً کہا۔

”یکن اگر وہ نہ ہو گا تو ہم شوکی برادرز تک نہیں پہنچ
سکیں گے۔“

”اس کا مطلب ہے۔ شوکی برادرز تک پہنچنے کے لیے
خود کو چھنسوانا پڑے گا۔“

”پڑے گا کیا۔ چھنسوا چکے ہیں۔ یہ سب کچھ سوچی بھجو
یکم کے تحت ہو رہا ہے۔“

”چلیے چھر تو مزار ہے گا۔ بلکہ میں تو سیٹھ روگڑ والا
کا شکریہ ادا کروں گا کہ وہ یعنیوں پارٹیوں کی ملاقات کا بندو
کر رہے ہیں۔“

”فکر نہ کرو۔ بہت جلد شکریہ ادا کرنے کا موقع ملے گا۔“
انپکٹر کامران مرزا نے ہنس کر کہا۔

اور پھر انہیں سُرنگ کا دوسرا منہ نظر آنے لگا۔
سُرنگ میں ہلکی روشنی نظر آنے لگی۔ بالکل اسی طرح۔ جس
طرح سُرنگ میں داخل ہوتے وقت نظر آئی تھی۔
جب وہ سُرنگ سے نکلے تو انہوں نے خود کو ایک
کمرے میں پایا۔

"گویا اب ہم ایک اور کوٹھی میں ہیں۔ انپکٹر کامران مرزا
نے کہا۔

"کوٹھی سے کوٹھی تک آفتاب بولا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ...."

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت کمرے میں
ایک آواز گونجی تھی۔

روگڑ والا

"میرے کام کا دوسرا حصہ مکمل ہو گیا ہے مستر میکن۔

دوسری پارٹی بھی آپ کے حوالے ہے۔"

"بہت خوب مسٹر روگڑ والا۔ میں نے تم جیسا کاری گر

آج تک نہیں دیکھا۔ ہم لوگ تو ان پارٹیوں کو ہتوا بناتے

ہوئے تھے۔ تم نے اتنی آسانی سے ان پر قابو پالیا۔"

"درachiں یہ لوگ گھماو پھراؤ کی طرف فوراً متوجہ ہوتے

ہیں، جہاں کوئی پُر اسراریت دیکھی۔ کھانا پینا تک بھول

گئے۔ لہذا میں نے بھی انہیں اسی وار سے شکست دی

ہے۔ انہیں پُر اسراریت کے جاں میں پھانس لیا۔ یہ

بے چارے ہے۔ میں ہو گئے۔ اور پھر پہنے میں نے شوکی برادری

کو چھاننا۔ تاکہ ان کی تلاش میں دوسری پارٹی آئے۔ اب

دوسری کی تلاش میں تیسری آئے گی۔"

"خیال رہے مسٹر روگڑ والا۔ وہ انپکٹر جمشید پارٹی ہے۔"

"انپکٹر کامران مرتضیٰ پارٹی اور شوکی برادری کی تلاش میں
انھیں آنا تو ہر حال میں پڑے گا۔ وہ یہدھے سیٹھ روگڑ
والا کی کوٹھی کا رُخ کریں گے۔ کریں گے نا مestr میکن؟"
"ہاں! بالکل کریں گے"

"اور پھر میرے جال میں آپھیں گے۔ پھر میں وہ
پارٹی بھی آپ کے حوالے کر دوں گا اور اپنا معاوضہ لے
کر اس معاملے سے بالکل الگ ہو جاؤں گا۔ نہ صرف
اس معاملے سے بلکہ اس ملک سے بھی۔ کیونکہ الجھ کیسی
یہ قم لوگوں کو غصہ دے گئے تو پھر میری بھی خیر نہیں
ہوگی۔ میکن مestr میکن۔ تم ان کے ساتھ کرنا کیا چاہئے
ہو؟" اس نے کہا۔

"بس میں یہ نہیں بتا سکتا"

"مارے انجمن کے میرا بُرا حال ہے۔ تم مجھے دو کروڑ
روپے دو گے نا۔ یعنی پارٹیوں کو تمہارے حوالے کرنے کے"
"ہاں! بالکل"

"چلو تم مجھے ڈیڑھ کروڑ دے دتنا۔ پچاس لاکھ میں صرف
یہ بتا دو کہ ان کا کرنا کیا ہے"

"کیا کہا۔ پچاس لاکھ میں۔ تم۔ تم اتنی بڑی رقم خرچ
کر رہے ہو اس بات کو جانتے کے لیے"

"ہاں! میں انجمن سے نجات پانی چاہتا ہوں۔ ان دو کروڑ
کا کیا فائدہ جو مجھے ساری زندگی کی انجمن دے جائیں۔ میں
باقی عمر یہی سوچتا رہوں گا۔ کہ آخر ان تینوں پارٹیوں کے
ساتھ بیکیا گیا تھا۔ اور نہیں جان سکوں گا"

"بات تو آپ کی صحیح ہے، لیکن مestr روگڑ والا۔ میں
مجبوڑ ہوں، اوپر والوں کا آرڈر ہے۔ کسی کو اس بات کی
ہوا تک نہ گئے"

"اچھا۔ آپ کی مرضی۔ لیکن رہتے آپ فائدے میں
یہی کہ پچاس لاکھ آپ اپنی بیب میں رکھ سکتے ہیں۔ آپ
کے بڑوں کو خبر تک نہیں ہو گی"

"لیکن اگر کبھی طرح انھیں پتا لگ گیا تو پھر میری خبر
کسی کو نہ ہو گی" میکن نے ہنس کر کہا۔

"پتا لگے گا کیسے۔ میں توباتانے سے رہا"

"نہیں جتاب! میں یہ خطرہ ہوں نہیں لے سکتا"

"آپ کی مرضی! میرا نام روگڑ والا ہے۔ اس نے بیب
سے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"
مطلب یہ کہ جو شخص اس تدر ماهر منصوبہ ساز ہو کہ
غیر ملکی حقیقتیں تک اس سے مدد لینے پر مجبور ہوں۔ کیا وہ

کافی دیر تک سانس روک کر دے سکتا ہے۔

"فکر نہ کریں۔ کمرے میں گیس آدھ گھنٹے تک موجود رہے گی۔ ایکٹر کامران مرزا کو اس گیس میں سانس لینا ہی پڑے گا۔ اور جب یہ سانس لے لے میں گے تو یہ بوش ہونے پر بھی موجود ہو جائیں گے۔"

"بہت خوب! لیکن اب ہمارا بوریت والا کام شروع ہو جائے گا۔"

"اور وہ کیا؟"

"تیسرا پارٹی کا انتظار۔ مظر و گڑ والا۔ آپ نے کبھی سوچا ہے۔ اگر وہ لوگ دلتے تو۔ تو کیا ہو گا۔ آپ کے دو کروڑ تو مارے جائیں گے، ہی ہمارا کام بھی الھورا رہ جائے گا۔"

وہ ضرور آئیں گے۔ یہ جال ان کی نفیات کے میں مطابق ہے۔ اسی لیے تو میں نے سیدھے طریقے سے شوکی برادرز کو اغوا نہیں کرایا۔ اسی لیے تو ایکٹر کامران مرزا کو سیدھے طریقے سے اخوا نہیں کرایا۔ اصل مسئلہ تو ہے، ہی ایکٹر جمیش پارٹی کا۔ ایکٹر کامران مرزا بھی کم ہوشیار آدمی نہیں ہیں۔ لیکن ایکٹر جمیش کی بات ہی اور ہے۔ اس کی ذہانت سے اچھے اچھوں کا پشاپانی ہو

یہ راز جانتے کی منظویہ بندی نہیں کر سکتا۔"

"یہ آپ کا اپنا فعل ہو گا۔ اس کی ذہنے داری بھر پر عاید نہیں ہو گی۔ نہ کمپنی کے لوگ بھج سے پوچھ سکیں گے۔ نہ بھج پر کوئی الزام لگا سکیں گے، نہ کوئی سرزا دے سکیں گے، لیکن دوسری صورت میں تو میں فوراً ان کی گرفت میں آ جاؤں گا۔"

"ہوں! اچھا۔ آپ کی مرضی۔ میں بھی اگر یہ راز نہ جانا تو میرا نام بھی روگڑ والا نہیں۔"

"وہ تو ویسے بھی آپ کا نام نہیں ہے۔ میکن لے کما۔

"کیا مطلب؟"

"کمپنی نے بتایا تھا۔ یہ آپ کا فرضی نام ہے۔ اصل نام نہ جانے کیا ہے۔"

"ہاں! یہ تو خیر طھیک ہے۔ ارے ہاں۔ یہ لوگ ہم پکے ہیں۔ آپ اپنی امانت سنبھالیں۔ میں تو انھیں بے بوش کرنے لگا ہوں۔ اب یہ نہ تو سُرگ کی طرف والپس جا سکیں گے۔ نہ اس کمرے سے میری مرضی کے بغیر نکل سکیں گے۔ بے بوش ہونے کے بعد یہ آپ کے ساتھ آسانی سے جائیں گے۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"خیال رہے۔ ایکٹر کامران مرزا جس دم کا ماہر ہے،

جاتا ہے۔

"خیر۔ وہ آئیں گے تو آپ جائیں۔" اس نے کندھے اچکا دیے۔

"یجھے۔ وہ لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑے ہیں۔" روگڑا والا نے ٹی دی سکرین کی طرف لمحتہ ہوتے کہا۔

"جب یہ مکمل طور پر بے ہوش ہو جائیں گے تو ان کی تلاشی بھی یتنا ہوگی۔"

"اوہ ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں ہر کام کروں گا۔"

"ٹھیک آدم گھنٹے بعد آپ انھیں یہاں سے لے جائیں گے۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ ادھر جس کمرے میں وہ سرینگ سے داخل ہوئے تھے۔ سب بے ہوش پڑے تھے۔ اسپکٹر کامران مرزا نے خود کو گیس سے محفوظ رکھنے کے لیے کافی کوشش کی تھی، لیکن آخر کار وہ بھی شکست کھا گئے تھے۔ اور اب وہ بھی مکمل طور پر بے ہوش پڑے ہوتے تھے۔

ٹھیک آدم گھنٹے بعد میکن اس کمرے میں داخل ہوا، اس کے منڈ پر گیس ماسک تھا۔ اس کے ساتھ آٹھ آدمی

تھے۔ انھوں نے سب بے ہوش لوگوں کو اٹھا اٹھا کر باہر لے جانا شروع کیا۔ باہر ایک بڑی گاڑی کھڑی تھی۔ جو کہ بند بھی تھی۔ اس کی دیواریں فولاد کی تھیں، اس سب کو اس گاڑی میں ڈال دیا گی۔ گاڑی میں ڈالنے کے پہلے میکن ان کی تلاشی یتنا نہیں بھولا تھا۔ تلاشی سے برآمد ہونے والی سب چیزیں اس نے دکار والا کے حوالے کر دیں۔

"اب آپ مجھے جب فون کریں گے، میں اس وقت اڑیں گا۔"

"مژھر میکن۔ میں ایک کروڑ تک دینے کے لیے دکار ہوں گا۔"

میکن مطلب؟

اگر آپ یہ بتا دیں کہ ان لوگوں کا کرنا کیا ہے؟
ٹھوپہ کیا ہے تو میں اپنے معاوضے میں سے نصف آپ
ادینے کے لیے تھار ہوں گے۔"

آپ کا دماغ تو ہمیں چل گیا۔ آتنی سی بات جانے کے لیے آپ ایک کروڑ مجھے دیں گے۔ میکن کے لیے دکار بلا کی چیزت در آئی۔

وہ بھی اس گاڑی کے ساتھ کہ آپ کے بڑوں کو

کافیں کان خبر نہ ہو گی۔

میکن سوچ میں ڈوب گیا۔ آخر اس نے بھرا تی ہوتی

آواز میں کہا:

"میں نے یہ سودا کرنے کا فیصلہ تو کر لیا ہے، لیکن کہیں یہ ایک کروڑ مجھے بہت منکارنا پڑ جائے۔"

کیا مطلب؟

"اگر بڑوں کو معلوم ہو گیا کہ میں نے معاملے کی یہ خلاف ورزی کی ہے تو وہ مجھے کسی قیمت پر بھی زندہ نہیں چھوڑ دیں گے۔"

"یہ سوچنا آپ کا کام ہے۔ پیش کش بھی معمولی نہیں

ہے۔ ایک کروڑ روجڑ والا عیناً انداز میں مسکرا یا۔

"اچھی بات ہے م斯特 روگڑ والا۔ اب جب تیسرا پارٹی یہاں آ جائے گی اور میں اس پارٹی کو بھی بند شگاڑی میں لاد لوں گا تو معاملے کے مطابق آپ کو میں دو کروڑ نہیں، ایک کروڑ دوں گا۔ اور ایک کروڑ کا راز آپ کو بتاؤں گا۔"

"مجھے منظور ہے۔ روگڑ والا نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن میرے نزدیک آپ اپنا ایک کروڑ سکھرتے ہیں۔ آپ کو راز جان کر کیا ملے گا۔ میکن بولا۔"

"یہ میرا کام ہے۔ آپ کا نہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ کی مرضی۔"

اور میکن چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد روگڑ والا اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایک پورا اسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ایک ایسی مسکراہٹ جو اس کی کامیابی کا پکار پکار کر اعلان کر رہی تھی۔



"لو بھی۔ یہ بھی غائب ہو گئے۔ آخر یہ ادھر ہو گیا ہے۔" فاروق نے قرباً چلا کر کہا۔

"ایمیں دہاں بلانے کا سامان ہو رہا ہے۔" فرزاد مسکرا۔

"اس کا مطلب ہے۔ اب دونوں پارٹیوں کی تلاش میں ہم جائیداً گے۔ محمود مسکرا۔"

"جانا، ہی ہو گا۔ نہیں جائیں گے تو کریں گے کیا۔"

یا اپنی دونوں پارٹیوں کو گم رہنے دیں گے۔ فرزاد نے کہا۔

"نہیں۔ گم کیوں رہنے دیں گے۔ لیکن یہ ضروری نہیں

کہ گم ہوں۔ بلکہ ہو سکتا ہے۔ کسی کیس کے سلسلے میں کہیں

لا مصروف ہوں۔" فاروق نے کہا۔

"تھارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ فرزانہ نے اسے گھوڑا۔
اس میں دماغ چلنے والی کون سی بات ہو گئی؟"
"اخبارات کی پوری فائل کا مطالعہ کرو۔ معلوم ہو جائے
گا۔ انھیں چکر میں پھانسی گیا ہے۔ وہ خود کیس نہیں کرے
ہاں؟ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ میں محمود کی تائید
کرتی ہوں۔"

"تم دونوں کو ایک دوسرے کی تائید کرنے کے مو
آتا کی ہے۔ بہر حال میرا بھی یہی خیال ہے کہ انھیں
پھانسی گیا ہے۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"تو پھر تملا کیوں رہے ہو؟"

"بس کبھی کبھی تملانے میں بھی مزا آتا ہے۔"

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بھی۔

"ہوشیار۔ یہ گھنٹی کسی دشمن نے بجائی ہے۔ فرزانہ
چونک کر کہا۔
اللہ اپنا رحم فرمائے۔ اب تو ہم گھنٹی بجانے کے
انداز سے یہ بھی جاننے لگے، میں کہ گھنٹی دوست نے
بجا لی ہے یا دشمن نے۔" فاروق نے سرد آہہ بھری۔

"تو تھیس کیا ہو گیا ہے۔ سرد آہیں بھرنے لگے۔
ابھی تو پتا نہیں، کیا کچھ بھرنا پڑے گا۔" فاروق۔

جلا کر کہا۔
"تم کچھ بھر لو۔ میرا دم نہیں بھر سکتے۔" فرزانہ
نے مسکرا کر کہا۔
"زیادہ حماودے سے بازی نہ کرو۔ ورنہ ترکی ہے ترکی جواب
ملے گا اور منہ کی کھاؤ گی۔"
"آگئے اپنی آئی پر۔"

"چلو کسی کی آئی پر تو نہیں آیا تا۔" فاروق مسکایا۔
"ابھی تو جلا رہے تھے۔ اب مسکرا رہے ہو۔ یا ر تھارا
بھی پتا نہیں چلتا۔"

"میرا پتا بھی دہی ہے۔ جو تھارا ہے۔ پھر کیوں
عین چلتا۔"

اسی وقت پھر گھنٹی بھی۔
"تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ کوئی گھنٹی بجا رہا ہے۔ اور
تم باتیں بگھار رہے ہو۔ باورچی خانے سے یہم جیش نے
پڑا کر کہا۔

"بجائے دیں اتمی جان۔ یہ گھنٹی کوئی دوست نہیں، دشمن
بخار رہا ہے۔ اور یہ خیال میرا نہیں۔ فرزانہ کا ہے۔"
فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔
"میں کہتی ہوں۔ پہلے جا کر دروازہ کھو لو۔ اگر وہ کوئی

شمن ہوا تو، تم اسے دیکھ لیں گے۔ بیگم جمیش نے بھت
کر کہا۔

"جی بہتر۔ تو پھر اتنی جان دیکھنے کے لیے تیار ہو جائیں۔
محodus نے کہا اور اٹھ کر دروازے کی طرف چلا گی۔
کون ہے؟ اس نے پوچھا۔

"ایک منظوم۔ فریاد لے کر آیا، سولہ" "لائیں۔ کیا ہمارا گھر شہنشاہ جہانگیر کا محل ہے؟

"اس سے بھی کیس بڑھ کر۔ باہر سے کہا گیا۔

"اس قدر سخت انداز میں گھنٹی کیوں۔ بجائی تھیں، تم
تو سمجھتے تھے، دروازے پر کوئی دشمن ہے۔"
"ضرورت مند دیوانہ ہوتا ہے نا۔"

"اوہ ہاں! یہ تو ہے۔ خیر میں دروازہ کھول رہا
ہوں، لیکن یہ سوچ لینا، اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی تو
وہ غلط حرکت، ہمارے حق میں درست ہو جائے گی اور
تمہارے حق میں غلط۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں کسی بُری نیت
سے نہیں آیا۔"

"تو پھر یہ لو۔" محمود نے کہا اور دروازہ کھول دیا۔
اس نے دیکھا۔ ایک نوجوان آدمی بکر منداز انداز میں

ال کے سامنے کھڑا تھا:
اپ کا نام؟

"میرا نام قاری جان ہے۔"
اچھا تو پھر۔"

یہ آپ کو یہ جان کر حیرت نہیں ہوئی، اس نے حیران
ہو کر کہا۔

"یہ جان کر؟ محمود نے حیران ہو کر کہا۔
انتہے میں فاروق اور فرزانہ بھی دروازے پر آگئے۔
اخنوں نے پہلے مورچے بنھالے ہوتے تھے۔

"یہ جان کر کہ میں قادر جان ہوں۔"
"ہم یہ نام آج پہلی بار سن رہے ہیں۔"

تب پھر میں آپ کے والد سے بات کروں گا۔ یہ انپکٹر
جمیش کا گھر ہے نا۔"
ہاں بالکل! محمود بولا۔

"وہ کہاں پیش؟"

"دفتر میں۔ بلکہ نے ہی واپس ہوں گے۔"

تب پھر میں ان کا انتظار کروں گا۔"

"تو کیا آپ کا نام سن کر انھیں حیرت ہو گی۔"

ہاں بالکل۔ بلکہ کوئی ایسی ویسی حیرت۔"

"اس کا مطلب ہے۔ حیرت بھی خاص قسم کی ہو گی۔"

"ہاں آپ دیکھ ہی لیں گے۔"

"آپ اندر آ جائیں۔ دیکھنے کا کیا ہے۔ ہم دیکھنے رہی رہتے ہیں اور ان شاء اللہ دیکھ لیں گے۔ فاروق نے منہ بنایا۔

وہ اسے اندر لائے، ہی تھے کہ دروازے کی گھنٹی پھر بجی، لیکن اس مرتبہ بھی اندازِ اپکلہ جمیش کا نہیں تھا۔

ٹکڑاتے کا دن

"ہمیں! یہ آباجان کی بجائے اب کون آگیا؟" فاروق کے لمحے میں حیرت تھی۔

"ہمیں واپس کرنے کی ضرورت ہے۔ جا کر دیکھ لو۔" محمود نے جھلاؤ کر کہا۔

"میں سمجھ گیا، اس مرتبہ تمہارا دروازہ کھونے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" فاروق مسکرا یا۔

اسی بھی کوئی بات نہیں، اگر تم نہ ہے تو مجھے یا فرزانہ کو، ہمیں جانا پڑے گا، اتنی جان تو جانے سے رہیں۔ محمود نے اسے لکھوا۔

"میرا خیال تو یہ ہے کہ مجھے، ہمیں جانا چاہیے۔ کوئی تک بھی ہے۔ کوئی دروازے پر آیا کھڑا ہوتا ہے اور تم بحث میں اُلچھے ہوتے ہو۔ لوگ تمہارے بارے میں کیا خیال کریں گے؟"

"یہی کر۔ کس قدر سمجھ دار ہیں۔ دروازہ کھولنے سے پہلے یہ جان لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ کون آیا ہو گا، اس سے کوئی خطرہ تو نہیں ہو گا۔"

"بس۔ بس۔ رہنے دو۔ میں جا رہی ہوں دروازہ کھولنے۔" سیمِ جمیل نے بختا کر کرنا اور باورچی خانے سے باہر نکل آئیں۔

"ارے ارے۔ ایسی بھی کیا بات ہے اُتھی جان۔ آپ کے ہوتے ہوئے۔ اوہ، اُٹھ کر گیا۔ میرا مطلب ہے، ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کہ فاروق نے دروازے کی طرف دوڑ کا دی، لیکن محمود اُس سے بھی پہلے قدم اٹھا چکا تھا۔ نتیجہ یہ کہ دونوں ٹھکرا گئے اور دھڑکام سے گرے۔

"بس! یہ تو کھول چکے۔ آپ مجھے کھولنا پڑے گا۔" فرزانہ نے جل کر کہا اور دروازے کی طرف پیکی۔

"آپ۔ آپ لوگ بہت عجیب ہیں۔" قاری جان کی آواز سنائی دی۔

"اوہ، آپ کو تو ہم بھول ہی گئے۔ آئیے۔ پہلے آپ کو تو ڈرائیک روم میں بٹھاتے ہیں۔" محمود نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا، لیکن اس سے پہلے فاروق اٹھ گیا۔

دونوں نے قاری جان کو دونوں ڈرائیک روم سے ایک ساتھ پہلے یا۔

"ارے ارے۔ میں کیا بھاگا جا رہا ہوں۔"

"آپ کا کیا بھروسہ۔ بھاگ بھی سکتے ہیں۔"
"مجھے ایسی کوئی جلدی نہیں۔"

"خیر۔ ہم آہستہ آہستہ ڈرائیک روم کی طرف چلے چلتے ہیں۔" فاروق نے کہا اور رفقاء کم کر دی۔ محمود تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ اسے جھٹکا لگا۔ درمیان میں قاری جان کو بھی جھٹکا لگا۔

"بد تیز ہو تم۔ باورچی خانے کی کھڑکی سے سیمِ جمیل یہ نظارہ دیکھ کر بولیں۔"

"شکریہ آتمی جان! آپ کی زبان سے یہ لفظ ہم بنے شاید پہلی بار سنا ہے۔"

"تو کیا اب میں ہر روز تھیں بد تیز کھوں۔ نا بابا میں یکوں اپنی زبان گندی کروں۔"

دونوں قاری جان کو یہ ڈرائیک روم میں داخل ہو گئے۔ ادھر یعنی اس وقت فرزانہ نے دروازہ کھول دیا:

"قاری جان۔" باہر کھڑے ہوئے شخص نے لگانے کے انداز میں کہا۔

"مان نہ مان۔ وہ ہمارے سماں۔ فرزانہ بھی گلگنی۔"

"کیا آپ شاعر ہیں؟"

"نہیں تو۔ میں نے تو آپ کی گلگنگ ہٹ کا جواب گلگنگ ہٹ سے دیا ہے۔"

"اوہ شکریہ شکریہ۔ آداب عرض۔ اس نے شاعروں کے انداز میں لا تھد بلایا۔"

"معلوم ہوتا ہے۔ آپ ضرور شاعر ہیں۔"

"جی بدسمتی سے۔ اس نے منہ بنایا۔"

"یکوں کیوں۔ اس میں بدسمتی کی کیا بات ہے۔ شاعر ہونا تو بہت اچھی بات ہے۔ ڈھروں داد ملتی ہے۔"

"لیکن عزیزہ۔ داد سے پیٹ نہیں بھرتا۔"

"یہ بات میں نے آپ کے منہ سے سُنی ہے۔ ورنہ شاعر لوگ تو ذرا سی داد سے ہی سارا کام چلا لیتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"کسی نے آپ کے کان بھرے ہیں۔ داد کے بارے میں۔ ورنہ یہ داد تو بالکل بے داد ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟" فرزانہ نے حیران رہ کر کہا۔

"بے داد۔ یعنی نہ کوئی داد نہ فریاد۔ بُھوکوں مرتے ہیں شاعر حضرات۔"

"خیر۔ آپ فرمائیے۔ آپ میں کون صاحب اور ہمارے ان کس طرح تشریف لائے؟"

"قاری جان۔ وہ پھر گلگنیا۔"

"اوہ! آپ قاری جان سے ملنے آئے ہیں۔"

"ہاں! اس نے مجھے اطلاع دی تھی کہ وہ آج کے دن آپ لوگوں کے ہاں پہنچے گا اور یہ کہ میں اس سے یہاں آ کر مل لوں۔"

"آپ کا نام؟"

"سلیمان بن ریحان۔ وہ پھر گلگنیا۔"

"شاید آپ نثر میں بھی شاعری کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔"

"کی کہا۔ کوشش۔ کیا بات کرتی ہیں۔ میں واقعی نثر میں شاعری کرتا ہوں۔" اس نے بُرا مان کر کہا۔

"ضیر حاصل کرتے ہوں گے۔ میں ذرا ان سے پوچھ لوں۔ آپ یہیں ظہوریے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ضرور ضرور۔ کیوں نہیں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

فرزانہ تیزی سے واپس مڑی۔ اور جلدی جلدی قدم

الٹھاتی ڈرائیک روم میں داخل ہونے لگی۔ اوھرے سے محمود اور فاروق انہا دضد چلے آ رہے تھے۔ تینوں آپس میں

بھر کسی ماہرِ نفیات کے پاس جانے کے لیے کہے گا۔
یکن اگر وہ کسی ہومیوپتیک ڈاکٹر کے پاس چلا جائے تو
وہ اسے صرف ایک دوادے گا۔ جس کے کچھ ہفتون
کے استعمال کے بعد اس کا یہ رجحان ختم ہو جائے گا اور
وہ زندگی میں دلپسی لینے لگے گا۔

"اوہ راچھا۔ یکن تمھیں کس طرح معلوم؟"

"جی۔ وہ آج کل میں ہومیوپتیک سیکھ رہا ہوں۔"

فاروق نے شرم کر کہا۔

"تو اس میں شرمانے کی کیا بات ہے؟"
ہاں واقعی۔ شرمانے کی تو اس میں کوئی بات بھی
نہیں ہے۔ خیر۔ اب میں ہرگز نہیں شرماؤں گا۔ اور
باتفاق اتی جان۔ اگر کسی آدمی کے جسم پر مکھیاں بہت
بیٹھی ہیں اور ہٹنے کا نام نہیں یلتیں۔ تو اس کی بھی دوا
ہومیوپتیک علاج میں ہے۔ ایک آدمی کو غصہ بے تکاثر آتا
ہے۔ اس کی دوا بھی ہے...."

"اچھا اچھا۔ میں کرو۔ ہم اس وقت کسی مطب میں
نہیں بیٹھتے۔ ہمارے گھر کے درائیکٹر روم میں ایک عدد
مھمان یعنی قاری جان بیٹھتے ہیں۔ اور باہر ایک اور صاحب
آکے ہیں۔ ان کا نام سلیمان بن ریحان ہے۔ وہ

خوب نہر شور سے ٹھکارتے اور تینوں ہی گرے بھی۔
"یہ کیا ہوا؟" باوری خانے سے بیگم جشید نے گھر ان
ہوتی آواز میں پوچھا۔

"کچھ لوگ گرے ہیں اتی جان۔ اور اب اٹھنے کی کوشش
کر رہے ہیں۔ ہوا صرف یہ تھا کہ وہ آپس میں ٹھکرا لے
تھے۔ آپ فکر مندا نہ ہوں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ تمھیں ٹھکرانے کا کیا مرض ہو گیا ہے؟"

"ایسا ہی لگتا ہے۔ خیر۔ آپ پرواہ کریں۔ ہم دوا
لے آئیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"کیا کہا۔ دوا لے آئیں گے؟"

"ہاں بالکل۔" فاروق بولا۔

"یکن کس چیز کی؟ بیگم جشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ٹھکرانے کی عادت سے نجات حاصل کرنے کی؟"

"لگ۔ کیا اس کی بھی دوا ہوتی ہے؟"

"آپ اس کی بات کر رہی ہیں اتی جان۔ ہومیوپتیک
طريق علاج میں تو ز جانے کس کس چیز کی دوا ہوتی ہے۔
تلہ ایک آدمی کا بھی خودکشی کرنے کو چاہتا ہے۔ اب
اگر وہ بے چارہ ایلوپتیک ڈاکٹر کے پاس چلا جائے تو
وہ اسے دماغی امراض کے ہسپتال بیچھے دے گا۔ یا

قاری جان سے ملنے آئے ہیں۔ پہلے ان سے پوچھو۔ وہ ان کے دوست ہیں بھی اور کیا وہ ان سے ملتا چاہتے ہیں؟ فرزانہ نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔" محمود بولا اور دوبارہ ڈرائیک روم میں داخل ہو گیا:

"آپ کسی سیمان بن ریحان کو جانتے ہیں؟"

"ارے ہمیں۔ کیا وہ آگیا ہے؟"

"اگر وہ واقعی سیمان بن ریحان ہے تو ضرور آگی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی اور ہو اور اسی نے اپنا نام سیمان بن ریحان بتایا ہو۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"بھلا ایسا کیوں ہونے لگا۔ وہ میرا دوست ہے۔" میں نے اسے اطلاع دی تھی کہ میں فلاں تاریخ کو انپکٹر جمیل کے گھر آ رہا ہوں۔ وہ ملتا چاہے تو آ سکتا ہے۔ مہربانی فرمائے اسے اندر لے آئیں۔

"اچھی بات ہے۔" فاروق تم دوسرے مہمان کو اندر لے آؤ۔ آؤ فرزانہ، ہم ذرا دفتر فون کریں۔ آخر آج اب تک ابا جان کیوں نہیں آئے؟

"اوے کے۔" فرزانہ بولی۔

فاروق دروازے کی طفتہ چلا گیا۔ محمود اور فرزانہ فون کی طرف بڑھ گئے۔ فاروق نے سیمان بن ریحان کو ساتھ یا اور ڈرائیک روم کی طرف بڑھا۔

"اندر تشریف لے جائیے۔ آپ کے دوست قاری جان اندر ہیں؟"

"شکریہ جناب۔" اس نے کہا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔

فاروق ان کی طرف چلا آیا۔ میں اس وقت سلسلہ

مل گیا:

"اسلام علیکم۔ ابا جان آپ اب تک یہاں بیٹھے ہیں؟"

"ہاں جھی۔ کچھ کام آگیا تھا۔ لبس میں آ رہا ہوں۔"

"آپ کسی قاری جان کو جانتے ہیں؟"

"ارے۔ کیا وہ آیا ہے؟ ان کے لمحے میں حیرت تھی۔"

"آپ کو اس کا نام سن کر حیرت ہوتی ہے ابا جان؟"

"ہاں ہوتی تو ہے۔"

"اس کا کہنا بھی یہی تھا کہ آپ اس کا نام سن کر ضرور

چران ہوں گے۔"

"تم اسے کچھ لھاؤ پلاو۔ میں آ رہا ہوں۔"

"بھی بہتر۔" محمود نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

"اتی جان۔ آپ مہمان کے لیے کچھ تیار کر رہی

ہستی ہے۔ اس بار وہ خود پھنس گئے ہیں تو یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ان کی تلاش میں دن رات ایک کر دیں۔ فاروق بولتا۔

"اوہ ہو۔ فاروق۔ فرزانہ۔ ادھر آنا ذرا۔" دونوں نے محمود کی حیرت زدہ سی آواز سنی۔
"کیا ہوا؟" فاروق چونکا۔

اور پھر فاروق اور فرزانہ تمیزی سے ڈرائیگ روم کی طرف بڑھے۔ اسی وقت محمود بلا کی رفتاد سے باہر نکلا اور بُری طرح فاروق سے ٹکرا گیا۔ دونوں اچھل کر فرش پر گرے۔

"اوہ ہو۔ کیا بد تمیزی ہے۔" فرزانہ جل کر بولی۔ "بد تمیزی نہیں۔ آج کا دن شاید ہے، ہی ٹکرانے کا دن۔" فاروق نے منہ بنایا اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت تک محمود اٹھ چکا تھا۔ اس نے بیرونی دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ دوسرے، ہی لمحے وہ باہر نکل چکا تھا۔

"اے اے۔ یہ کیا۔ سن تو۔ ہوا کیا؟" فرزانہ نے چلا کر کہا۔

حیرت ہے۔ یہ ان حضرت کو کیا ہو گیا۔ فاروق

ہیں نا؟" کر رہی ہوں کیا۔ کر چکی ہوں۔ لو دے آؤ۔" بیگم جشید بولیں۔

عین اس وقت انہوں نے سیلمان بن ریحان کی آواز سنی:

"ٹھیک۔ بس اب میں چلوں گا۔ بہت ضروری کام چھوڑ کر آیا تھا۔"

سیلمان بن ریحان ڈرائیگ روم سے نکلا تھا۔ "اے صاحب۔ آپ اتنی جلدی چل دیے۔" بیٹھے تھے۔ اپنے دوست کے ساتھ بیٹھ کر کچھ کھا رہے۔

"نہیں! مجھے ذرا جلدی ہے۔"

اس نے کہا اور دروازے کی طرف چلا گیا۔ محمود نے ٹھہرائی اور چلا ڈرائیگ روم کی طرف۔ فاروق اور فرزانہ صحن میں گرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"ہم بات کر رہے تھے: شوکی برادرز اور انکل کامران مرزا وغیرہ کی گم شدگی کی۔ اب ہمیں دہان جانا ہی ہو گا۔" فرزانہ نے پھر بات شروع کی۔

"جانا ہی ہو گا۔ آخر وہ ہمارے دوست ہیں۔ ساتھی ہیں۔ ہر بڑی مہم میں ان سے ملاقات ہوتی

نے منہ بنایا۔

”اوہ۔ ادھر آؤ۔“ فرزانہ تیزی سے بولی اور ڈرانگ روم میں داخل ہو گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ سکتے میں آگئی۔ قاری جان فرش پر پڑا تھا۔ اس کی زبان باہر نکل آئی تھی۔ اور آنکھیں بھی باہر کو اب اآلی تھیں۔ ان میں بلا کا خوف اور جیرت اب تک نظر آ رہی تھی۔

”یہ۔ یہ تو مرچکا ہے۔“ فاروق کے ہنر سے نکلا۔

”اسی لیے محمود باہر کی طرف دوڑا ہے۔“ کام اس شخص سیمان بن ریحان کا ہے۔ افسوس۔ وہ ہماری موجودگی میں۔ کس قدر صفائی سے یہ کام کر گیا۔ ہم آباجان کو کیا منہ دکھائیں گے؟“

”اب اور منہ کہاں سے لاتیں۔ یہی دکھائیں گے۔“ لکھنی صد ہے۔

فاروق بولا۔

”کمال کر دیا اس شخص نے۔ یہیں۔ اس نے تو کہا تھا۔ وہ اس کا دوست ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔ سیمان بن ریحان کے میک اپ میں کوئی اور آیا ہو۔“

”اوہ!“ فرزانہ بولی۔

”کاش! ہم بھی اس کے ساتھ ڈرانگ روم میں داخل دونوں دوستوں کو تنہائی میں بات کرنے کا موقع دینے کے

ہوتے۔“ فاروق نے سرد آہ بھری۔

اسی وقت محمود اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوا یاں اٹر رہی تھیں۔

”اس کا دُور دُور تک پتا نہیں۔ شاید کوئی گھادی آئی تھی۔ اور آنکھیں بھی باہر کو اب اآلی تھیں۔“

”اس قسم کے کام کچے انداز میں تو نہیں کیے جاتے۔ اور پھر اخیں تو معلوم تھا۔ کہ وہ وار کہاں کرنے جا رہا ہے۔“

”یہ بہت بُرا ہوا۔ نہیں اس واقعے کا افسوس ساری زندگی رہے گا۔“ فرزانہ بُر بُرائی۔

”لیکن۔ سوال یہ ہے کہ اس واقعے میں ہمارا قصور آباجان کو کیا منہ دکھائیں گے؟“

”یہ فیصلہ آباجان کریں گے، یکونکہ ہم تو سوچے

سمجھے بغیر فوٹا کر دیں گے کہ ایک فی صد بھی نہیں۔“

”خیر، ہم اتنے نا انصاف نہیں ہیں۔ بات تو اضاف

کی، ہی کریں گے۔ ہمارا قصور ہے ضرور۔ ملاقاتی کو

ڈرانگ روم کے اندر تک پہنچانا ہمارا فرض تھا۔“

”ایسا کرنے پر بھی وہ اپنا کام کر گزرتا، یکونکہ آخر

کاش! ہم بھی اس کے ساتھ ڈرانگ روم میں داخل

لیے، ہمیں باہر نکلنا، ہی پڑتا۔

"ہوں؟" دونوں نے سرد آہ بھری۔

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ اس مرتبہ انداز اپیکٹر جمیل کا تھا۔ وہ بوجھل قدموں سے دروازے کی طرف چل پڑے۔

فرش

"السلام علیکم اباجان!" محمود نے دروازہ کھولتے ہی کہا۔

"خیر تو ہے۔ تمہاری آواز بھی بھی ہے۔" وہ چونکے۔

"ایک بہت بڑا حادثہ ہو گیا ہے۔"

"کیا کہا۔ قاری جان تو خیریت سے ہے نا۔" وہ چونک کر کر بولے۔

اخنوں نے نفی میں سر ہلا دیے۔

"اوہ! ان کے منزلے سے نکلا اور پھر وہ تیزی سے ڈرانگ روم کی طرف بڑھے۔ وہ دروازے میں ہی ٹھک کر رک گئے۔

"نہر۔" ان کے منزلے سے نکلا۔

"ہاں اباجان۔" فرزانہ بولی۔

"یہ کیسے ہوا؟"

محمود نے تفصیل سنادی۔

"اچھا نہیں ہوا۔ لیکن نہیں۔ مجھے یہ الفاظ نہیں کہنے چاہیں۔ انپکٹر جمیلہ فوراً بولے۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"مطلوب یہ کہ یہ تو ہونا تھا۔ اسے اسی طرح مزنا تھا۔ ہر آدمی کی موت کا وقت تو لکھا ہے۔ پھر ہم یہ کہنے والے کون ہیں کہ یہ اچھا نہیں ہوا؟"

"واقعی! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"اپنے انکل اکرام کو فون کرو۔ فلگر پرنٹ سکشن کو بھی ساتھ لے کے۔"

"جی بہتر۔ محمود نے کہا اور فون کی طرف چلا گیا۔

انپکٹر جمیلہ وہیں کھڑے رہے۔

"آپ آگے نہیں بڑھیں گے۔"

"نہیں۔ پہلے ہم انگلیوں کے نشانات اٹھوائیں گے، دوسرا نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟"

"یہمان بن ریحان۔ ارے ہاں! آپ قاری جان کو کس طرح جانتے ہیں؟"

"میں نہیں۔ یہ مجھے جانتا تھا۔ دفتر کے پتے پر اس کے مجھے کئی خط ملے تھے۔ پُر اسرار قسم کے خطوط، ان میں اس نے ہر بار یہی لکھا کر وہ مجھے چند بہت

ہم رازوں سے ہمگاہ کتنا چاہتا ہے۔ اور ایسا کرنے کے
بے وہ کبھی دن آتے گا۔"

"اور وہ خطوط کہاں سے لکھتا رہا ہے؟"

"خطوط پر جگہ کا نام نہیں ہوتا۔ ہاں! ڈاک خانے
کی سہر یہ بتاتی ہے کہ وہ خطوط کسی روپڑی گڑھ کے
ڈاک خانے سے آتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے۔ قاری جان روپڑی گڑھ میں
دہتا تھا۔"

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"ہوں! پتا نہیں۔ وہ آپ کو کیا بتانے آیا تھا۔ کیا
آپ کو کچھ اندازہ ہے؟"

"بالکل کچھ نہیں۔ اس نے خطوط میں کبھی اشارہ نہیں
کیا۔ کہ وہ راز کس قسم کے ہیں؟"

"یہمان بن ریحان کے ہاتھوں پر دستانے وغیرہ نہیں
تھے۔ لیکن اس نے کسی چیز کو ہاتھ ہی کیوں لگایا ہو
گا۔ اس کے ہاتھ میں تو زبردی سوئی ہو گی۔ اس
نے قاری جان سے ہاتھ ملایا اور بس سوئی اس کی تھیلی
میں چھپ گئی ہو گی۔ سوال تو یہ ہے کہ قاری جان
کا کوئی دوست واقعی اس شہر میں موجود تو ہے۔"

ورز قاری جان کیوں اسے اندر لے آنے کے لیے کہتا۔

"فکر نہ کرو۔ ہم سیمان بن ریحان کو بھی چیک کیں گے اور روپڑی کے پوست آپس بھی جائیں گے۔ لیکن سوال تو یہ ہے۔ یہ چکر کیا ہے؟"

"چکر کے بارے میں قاری جان کا قاتل بہت کچھ بت سکتا ہے۔"

"اوہ ہاں؛ واقعی۔"

اُسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ انداز سب انپکٹر اکرام کا تھا۔ محمود نے دروازہ کھول دیا۔ اکرام نے فوراً اپنا کام شروع کر دیا۔

"میرا خیال ہے۔ ہم چلتے ہیں۔ اکرام۔ یہ روپڑی کتنے فاصلے پر واقع ہے؟"

"بھی۔ روپڑی۔ یہ شہر تو یہاں سے بہت دور ہے۔ طرین جاتی نہیں، یکونکہ پہاڑی علاقہ ہے۔ آپ کو کارڈ یا جہاز سے جانا پڑے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ ایک کام تھیں اور کرنا ہے۔ اور وہ یہ کہ صبح کے اخبارات میں سیمان بن ریحان نامی آدمی کے لیے اشتخار شائع کرا دو کہ میں اس سے ملنے چاہتا ہوں ایک بہت ضروری کام ہے۔"

"اوکے سر۔ اشتخار لگ جائے گا۔"

میں اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انپکٹر جمیش نے رسیور لھایا۔ دوسری طرف سے کوئی کہ رہا تھا۔

"یہ انپکٹر جمیش کا گھر ہے نا؟"
"بھی ہاں آؤ۔ وہ بولے۔

"دیکھیے۔ یہاں قاری جان آتے ہوئے ہیں۔ ان سے بی بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کا نام؟"

"سیمان بن ریحان۔"

"آپ یہیں آ جائیں۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں، میں کہ میرا خیال ہے۔ ہم چلتے ہیں۔ اکرام۔ یہ روپڑی کتنے فاصلے پر واقع ہے؟"

"بھی کیا مطلب؟ اس نے پونک کر کہا۔

"آپ یہیں آ جائیں اور اپنے دوست سے آخری ملاقات کر لیں۔"

"پتا نہیں، کیا بات ہے۔ خیر میں آ رہا ہوں۔

ذرا اپنے گھر کا راستا سمجھا دیں۔"

انھوں نے راستا بھایا اور رسیور رکھ دیا۔ اکرام اور اس کے ماتحت اپنے کام میں مصروف تھے۔ وہ صحن میں آ بیٹھے۔

"اصلی سیمان بن ریحان اب ہمارے ہاں آ رہا ہے۔" داخل ہو سکیں گے۔ یہی آپ کے دوست ہیں؟
ضرور نقلی تھا۔ انپکٹر جمیش بولے۔

"اس کا مطلب ہے۔ اس شخص کو اپنے چہرے پر سیمان بن ریحان کا میک آپ بھی کرنا پڑا ہو گا۔ درجنہ فوراً اس کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔"

"ہاں! یہی کہا جاسکتا ہے۔"
اور پھر آدھ گھنٹے بعد دروازے کی گھنٹی بجی۔ محمود اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اس نے دیکھا، بالکل ویسی شکل صوت کا آدمی دہاں کھڑا تھا، جیسا کہ پہلے آیا تھا:
"آپ سیمان بن ریحان ہیں؟"
بس وہ شخص ان کے جسم میں زہر داخل کر کے چلتا بنا۔

"اُت مالک۔ یہ کیا ہو گیا؟"
اب آپ ہمیں قاری جان کے بارے میں بتائیں،
یہ روپڑی میں رہتے تھے نا۔ انپکٹر جمیش بولے۔

"ہاں! بالکل۔ اس نے کہا۔"

"وہاں یہ کیا کرتے تھے؟"

"آج تک نہیں بتایا۔ میں نے بہت مرتبہ خطوط میں
یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کی۔" اس نے کہا۔

"کبھی انھوں نے اس بات کا ذکر کیا کہ یہ مجھے

"اصلی سیمان بن ریحان اب ہمارے ہاں آ رہا ہے۔" داخل ہو سکیں گے۔ یہی آپ کے دوست ہیں؟
ضرور نقلی تھا۔ انپکٹر جمیش بولے۔

"اُس کا مطلب ہے۔ اس شخص کو اپنے چہرے پر سیمان بن ریحان کا میک آپ بھی کرنا پڑا ہو گا۔ درجنہ فوراً اس کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔"

"ہاں! یہی کہا جاسکتا ہے۔"
اور پھر آدھ گھنٹے بعد دروازے کی گھنٹی بجی۔ محمود اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اس نے دیکھا، بالکل ویسی شکل صوت کا آدمی دہاں کھڑا تھا، جیسا کہ پہلے آیا تھا:

"آپ سیمان بن ریحان ہیں؟"
"ٹھیک پہچانا۔" اس نے فکر منداہ انداز میں کہا۔

"اندر آ جائیں۔"

"قاری جان کو کیا ہوا؟"

"وہ اب اس دُنیا میں نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"اُہ کر دیکھ لیں۔"

اسے ڈرائیک روم کے دروازے تک لا یا گیا۔

"آپ فی الحال یہیں سے دیکھ لیں، اندر نہ جائیے۔"

یہ لوگ جب اپنا کام مکمل کر لیں گے تو پھر آپ اندر

خطوط لکھتے رہتے ہیں؟

"نہیں جناب امیں یہ بات نہیں جانتا۔"

"آپ سے آج کوئی آدمی ملا تھا۔ اس نے کسی
ہانے سے آپ کی تصویر تو نہیں مانگی تھی۔"

"تصویر۔ اور ہاں۔ ایسا ایک آدمی آیا تو تھا۔
عجیب و غریب باتیں کر رہا تھا۔ ہاں یاد آیا۔ اس نے
کہا تھا کہ وہ ایک اخباری نمائندہ ہے۔ اور یہاں کے
لوگوں کے مسائل معلوم کرتا پھر رہا ہے۔ ساتھ میں
وہ ان لوگوں کی تصاویر بھی اخبار میں شائع کرائے گا،
جن سے اس کی ملاقاتیں کیں۔ لہذا آپ بھی ایک تصویر
دے دیں۔"

"اور آپ نے دے دی تھی۔ اپنکٹر جمیش روئے
ہاں بالکل۔"

"بس تو پھر۔ یہاں جو شخص آیا۔ وہی تھا۔ جو آپ سے
تصویر لے گیا تھا۔ تصویر کو سامنے رکھ کر اس نے اپنے
چہرے پر آپ کا میک آپ کیا۔ سوال یہ ہے کہ اسے
کس طرح پتا چلا کہ قادری جان یہاں آرہے ہیں، وہ بھارے
ہاں آئیں گے۔ اور یہ کہ ان کے دوست سیمان بن ریحان
کو بھی ان سے ملاقات کرنی ہے؟"

"بھلا میں کیا کہ سکتا ہوں جناب؟" اس نے پریشان
ہو کر کہا۔

"ہوں نیز۔ آپ ان کا روپڑی کا پتا تو لکھوا ہی
سکتے ہیں؟"

"ضرور یکوں نہیں۔ نوٹ کر لیں۔ سور سٹریٹ،
مکان نمبر گیارہ۔"

"شکریہ! ہمیں شاید روپڑی ہی جانا پڑے۔ آخر
اس کے گھر والوں کو بھی اطلاع دینا ہو گی۔ ان کے
گھر فون ہے یا نہیں؟"

"نہیں جناب، فون نہیں ہے۔"

"ویسے، ہم اطلاع تو یہاں بیٹھے بھی دے سکتے
ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ہم وہاں جا کر کچھ جائزہ
لیتا چاہتے ہیں۔"

"بھی آپ کی مرضی۔"

"یہ آپ کے دوست کب بننے تھے؟"

"بچپن میں، ہم ساتھ پڑھا کرتے تھے۔"

"تب تو آپ کو ان کے گھر والوں کے بارے میں
معلوم ہو گا۔"

"اس کے والدین بہت عرصہ ہوا، فوت ہو چکے

ہیں۔ بس ایک پھوٹی بہن باقی ہے۔ اس کی بھی شادی کر دی تھی۔ وہ اپنے گھر میں رہتی ہو گی۔
”ہوں! بہن کے گھر کا پتا؟“
”مجھے نہیں معلوم۔“
”اب اگر یہ ایکلے رہتے تھے تو پھر ہم بہن کو بھی اطلاع نہیں دے سکیں گے۔“
”شاید گھر میں کوئی ملازم رکھا ہوا ہو اور اسے بہن کا گھر معلوم ہو۔“

”اچھی بات ہے۔ ہم فوری طور پر روپڑی حاصل ہے، میں۔ آپ اپنے گھر جا سکتے ہیں۔ قاری جان کے بارے میں آپ سے کوئی کچھ معلوم کرے تو فوراً ہمیں اطلاع دیں۔ نمبر نوٹ کر لیں۔“ انہوں نے کہا اور اکرام کے دفتر کے نمبر اسے لکھا دیے۔

وہ چلا گی۔ یہ اسی وقت ایر پورٹ پہنچے۔اتفاق کی بات کہ روپڑی جانے والا جہاز بالکل تیار تھا، درہ انھیں پیش جہاز لے کر جانا پڑتا۔ ایک گھنٹے بعد وہ روپڑی کے ایر پورٹ پر جہاز سے آتے اور وہاں سے نیکسی پکڑ کر سلوو سٹریٹ پہنچے۔ مکان نمبر ۱۱ کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ پروٹوسیوں نے یہی

بتایا کہ دارالحکومت گئے ہوئے ہیں۔ بہن کا پتا کوئی پڑاوی نہ بتا سکا۔ گھر میں کوئی ملازم بھی نہیں تھا۔ وہ بہن کا شکار ہو گئے کہ اب کیا کریں۔ آخر دوسری صبح کے اخبار میں اشتہار دیا گیا، الفاظ یہ تھے:
”قاری جان کی بہن متوجہ ہوں۔“
قاری جان جو کہ سلوو سٹریٹ نمبر ۱۱ میں رہتے ہیں، ان کی بہن فوراً اس نمبر پر رابطہ کریں۔ ایک بہت ضروری پیغام ہے۔“

اخبار شائع ہونے کے صرف ایک گھنٹے بعد انھیں فون موصول ہوا۔ کوئی عورت دوسری طرف سے کہا رہی تھی:
”ہیلو۔ قاری جان صاحب کے بارے میں اشتہار آپ نے ہمی شائع کرایا ہے نامہ۔“
”ہاں کیا آپ ان کی بہن بول رہی ہوں؟“
”بالکل آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟“
”قاری جان کے بارے میں اہم بات ہے۔ آپ فوراً پولیس ایشیشن پہنچیں۔“
”پولیس ایشیشن۔“ اس نے چونک کہ کہا۔
”ہاں! یہ نمبر پولیس ایشیشن صدر بازار کا ہے۔“

"اوہ - خیر تو ہے؟"
"آپ بس آ جائیں۔"
پندرہ منٹ بعد ایک عورت پریشانی کے عالم میں پولیس اسٹیشن میں داخل ہوئی، اس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا۔

"ہاں جناب اکیا بات ہے۔ میکن ہوں قاری جان کی بہن۔"

"آپ کو ہم ایک بہت افسوس ناک جبرستار ہے ہیں، لیکن ہم مجبور ہیں۔"

"جی کیا مطلب؟ اس نے چونک کر پوچھا۔"

"آپ کے بھائی - قاری جان اپنی جان اللہ کے حوالے کر چکے ہیں۔"

"جی - میں سمجھی نہیں۔
انھیں کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

مشکل سے کہا۔

"کیا - نہیں۔" وہ چلا اٹھی اور پھر چھوٹ چھوٹ کر رونے لگی۔

کافی دیر بعد وہ ان سے بات کرنے کے قابل ہوئی۔
"میرے بھائی کی لاش کہاں ہے؟"

"دارالحکومت میں۔ کیا آپ لاش کو یہاں لانا چاہتی ہیں
یا انھیں وہیں دفن کر دیا جائے؟"

"وہیں دفن کر دیں گے، لیکن مجھے بھی تو وہاں جانا ہے،
میں آخری بار اپنے بھائی کو دیکھ تو لوں۔"

"ضرور یکوں نہیں۔" انھوں نے کہا، پھر لوئے:

"آپ کے بھائی مجھ سے ملا چاہتے تھے۔ وہ کافی عرصہ
سے مجھے خطوط لکھ رہے تھے۔ ہر خط میں وہ ایک ہی
بات لکھتے تھے۔ یہ کہ میں آپ کو بہت اہم راز کی بات
 بتانا چاہتا ہوں۔ اور اس سلسلے میں کسی روز خود آپ کے
پاس آؤں گا۔ لیکن جب وہ آئے تو مجھ سے مُطافات
 سے پہلے، ہی کسی نے انھیں ہلاک کر دیا۔"

"اُن مالک بہن کے منزل سے نکلا۔

کبھی آپ سے انھوں نے اس بارے میں کوئی بات
چیت لی۔

"نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"اوہ! وہ مایوس ہو گئے۔ گویا یہاں آنے کا انھیں
کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا، لیکن پھر انھوں نے کچھ سوچ
کر کہا۔

"وہ کام کہاں کرتے تھے؟"

"الائیکو میں۔" اس نے کہا۔

"الائیکو میں۔ یہ الائیکو کیا چیز ہے؟"

"ایک فرم کا نام ہے۔ بہت بڑی فرم ہے۔"

ملازمتیں دلواتی ہے۔ دوسرے ملکوں میں۔"

"اوہ اچھا۔ اس کا دفتر کہاں ہے؟"

"میں روڈ پر۔"

"ہم ذرا الائیکو تک ہو آئیں۔ آپ اسلا دوران چلنے کی تیاری کر لیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اس نے سک کر کہا۔"

اور پھر وہ الائیکو پہنچ گئے۔ باہر سے ہی انھیں اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی بہت بڑا دفتر تھا۔ اس کی شان و شوکت بھی حیرت انگیز تھی۔ انھوں نے معلومات کے کیسین پر پہنچ کر کہا:

"ہمیں فرم کے مالک سے ملا ہے۔"

"آپ نے ملاقات کا وقت طے کر دکھا ہے؟"

"نہیں! لیکن ہم دارالحکومت سے آتے ہیں۔ ایک قتل کے سلسلے میں۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ قتل کے سلسلے میں۔" اس نے حیران لکھا۔

ہو کر کہا۔

"ہاں! الائیکو کے ایک ملازم کو دارالحکومت میں قتل کر دیا گیا ہے۔"

"اڑے باپ رے۔ اس۔ اس کا نام کیا تھا؟"
"قاری جان۔"

"اوہ ہاں! اس نام کا آدمی ہماری فرم میں کافی مشور ہے۔"

"تو پھر بات سمجھیے فرم کے مالک سے۔"
"میں سر۔ کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے؟
"ہاں!" انھوں نے کہا۔

اس نے تھر تھر کاپنے لاتھوں سے نمبر ملایا اور پھر فون پر رہی سب کچھ کہ دیا، پھر ریسیور رکھ کر بولا:
"جی جناب، آپ تشریف لے جائیں۔ آخری منزل پر آخری کمرہ۔ لفت سے جائیں۔ درد تھک جائیں گے۔"
"شکریہ! انپکٹر جیشید مکارے۔"

وہ لفت سے ذریعے اپر آخری کمرے کے سامنے پہنچ، دستک دی جائی تو اندر سے آواز آئی:

"تشریف لے آئیں۔ دروازہ بھلا ہے۔"
وہ اندر داخل ہوئے۔ انھوں نے دیکھا، ایک شاخہ

اک پر ایک بھاری بھر کم آدمی بیٹھا تھا:
"آپ، میں اس فرم کے مالک؟"

"مجھ سے تو کچھ اور نہیں پوچھنا ہے؟"
نہیں۔ انھوں نے کہا۔

اس نے لکھنٹی بجائی، ایک ملازم اندر داخل ہوا:
ان حضرات کو قاری جان کی سیٹ تک لے جاؤ
اور ان کی ہر طرح مدد کرو۔ جو یہ جاننا چاہیں، انھیں بتاؤ۔
اس نے کہا۔

"او کے سر ملازم بولا۔

"بہت بہت شکریہ جناب۔"

وہ ملازم کے ساتھ پھلی منزل کے ایک کمرے میں آئے:
یہ کمرہ قاری جان کا ہے۔
وہ یہاں سے چھٹی لے کر گئے؛ انپکٹر جمیش بولے۔
ہاں! ایک ہفتے کی چھٹی پر ہیں وہ۔ کیا ان کے
ساتھ کوئی گرد بڑھ ہو گئی ہے؟ اس نے پوچھا۔

"ہاں! انھیں کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

"ارے ہمیں رے۔" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"آپ ہمیں قاری جان کے بارے میں کیا بتا سکتے ہیں؟"
"وہ بہت اچھا کامی تھا۔ دوسروں کے ساتھ بھلانی
کرنے والا۔"

"اس فرم کے مالک سے اس کا کوئی جگڑا تو نہیں ہوا؟"

"ہاں! مجھے طاؤس سانی کہتے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر
جیرت ہوئی۔ آپ لوگ توبیت مشہور و معروف ہستیاں ہیں۔
سانی س سے یا ش سے؟ فاروق نے جیسے اس کا
جملہ سنا، ہی نہیں۔

"س سے، لیکن آپ نے پی کیوں پوچھا۔ اس نے
فاروق کو گھوڑا۔

"تاکہ ہم س کی بجائے ش سے ن پکارتے رہیں۔"

"اس سے کیا فرق پڑ جائے گا؟"

"ہمارے خیال میں پڑتا ہے۔ فاروق مسکرا۔"

"فاروق۔ کام کی بات پہلے۔ انپکٹر جمیش نے اسے ڈالنا۔

"ہاں! خاب! فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

ویسے قاری جان کی موت پر مجھے بہت افسوس ہے۔

وہ ہمارا بہت پرانا ملازم تھا۔

"ہمیں بتایا گی ہے کہ آپ کی فرم لوگوں کو ملازمتیں

ذلواتی ہے۔ وہ بھی غیر ملکوں میں۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔ اس نے کہا۔

"قاری جان آپ کی فرم میں کیا کام کرتا تھا؟

"اکاؤنٹنٹ تھا۔"

"ہم اس کی سیٹ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

”یک کو رہے ہیں صاحب۔ وہ تو جھگڑنے والا آدمی ہی نہیں تھا۔“

”اور میر طاؤس سانی؟“

”وہ بھی بہت اچھے آدمی ہیں۔ بھی طازیں کا حق نہیں مارتا۔ وقت پر تنخواہیں ادا کرتے ہیں۔“

”اس فرم میں کوئی غلط کام تو نہیں ہوتا۔“

”غلط۔ کیا مطلب۔ بھلا یہاں کوئی غلط کام کیوں ہو گا۔ ہماری فرم تو بس لوگوں کو غیر مالک میں طازیں دلاتی ہے۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ یہ ایک قسم کا پرائیویٹ اپلائنس ایکس چینگ ہے۔“

”اس کا مطلب ہے۔ غیر مالک سے آپ لوگوں سے طازیں مانگے جاتے ہیں؟“

”جی ہاں!“

”میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس سال آپ نے کتنے آدمی دوسرے ملکوں میں ملازم کراتے؟“

”آئیے۔ میں آپ کو متعلقہ کلرک کے پاس لے چلوں، یہ سارا ریکارڈ اس کے پاس ملے گا۔“

متعلقہ کلرک نے ایک رجسٹر ان کے سامنے رکھ دیا۔ ایسکٹر جمیش نے ان لوگوں کے نام اور پتے دیکھے۔

وہ بے شمار تھے۔ انھیں بہت حیرت ہوئی۔ کہ اس قدر زیادہ لوگوں کو یہ فرم کس طرح ملازمیں دلوا دیتی ہے۔

چند لمحے وہ سوچتے رہے، پھر بولے:

”آپ کے ہاں فاؤنڈیٹ میں ہے؟“

”جی بالکل ہے۔“

”اس سال جن لوگوں کو باہر بھجا گیا۔ مجھے ان کا ریکارڈ فاؤنڈیٹ کرو دیں۔“

”یکن آپ اس کا کیا کریں گے؟“

”ہم قتل کے ایک کیس کی تفییش کر رہے ہیں۔ آپ ہم سے سوال نہ کریں۔ ایسکٹر جمیش نے سرد آواز میں کہا۔“

”جی بہتر!“ اس نے گھبرا کر کہا۔

جلد ہی اس نے صفحات ان کے حوالے کر دیے۔

اب وہ پھر قاری جان کے کرنے میں آئے اور پورے کرے کی ایک ایک چیز کو خود سے دیکھا۔ یکن کوئی خاص چیز نہ مل گئی۔ آخر وہ فرم سے باہر نکل آئے۔

”آپ حیرت زدہ نظر آ رہے ہیں۔“

”ہاں! اس فرم کا ریکارڈ دیکھنے سے تو یوں لگتا ہے جیسے سارے ملک سے صرف یہ فرم لوگوں کو باہر ملازمیں دلاتی ہے۔“

"یکن آباجان ! اس میں حیران ہونے والی بات کیا ہے؟" فاروق بولا۔

"بات ہے۔ آخر غیر مالک کے لوگ اسی فرم سے یکوں لوگ مانگتے ہیں، اس قسم کی اور فریں بھی تو ہوں گی۔"

"ضرور ہوں گی۔ اور وہ بھی لوگوں کو باہر ملازمتیں دلاتی ہوں گی۔"

"ہمیں دیکھنا ہو گا۔ دوسری فرموں کی تعداد بھی نوٹ کرنا ہو گی۔"

"اگر الائیکو کی تعداد زیادہ ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ان کے ریٹ کم ہوں گے۔ یعنی جن فرموں کو یہ ملازم دیتے ہوں، ان سے معاوضہ بہت کم وصول کرتے ہوں گے اور ادھر لوگوں سے بھی کم معاوضہ وصول کرتے ہوں گے۔"

"اوہ! ان کے منز سے ایک ساتھ نکلا۔

آخر وہ قاری جان کی بہن کو ساتھ لے کر دارالحکومت پہنچے۔ پہلے قاری جان کے کفن دفن سے فارغ ہوتے، پھر قاری جان کی بہن کو بیگم جمیلہ کے حوالے کیا۔ اور خود تفیش کے سلسلے میں دفتر پہنچے۔ جُونہی وہ کمرے میں

داخل ہوئے۔ اکرام بولا:

"سر۔ آئی جی صاحب کئی بار یاد فرمائے چکے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔ پہلے انھی سے مل لیتے ہیں۔ انھوں نے کہا اور ان کے دفتر کی طرف مرڈ گئے۔

آئی جی صاحب کے چہرے پر اُبھن کے آثار تھے:

"خیر تو ہے سر؟"

"شوک برادرز کے بعد انپکٹر کامران مرازا دغیرو بھی غائب ہو چکے ہیں اور ادھر سے بار بار تم لوگوں کو بلا دا آ رہا ہے۔"

"جب کہ میں قاری جان کے کیس میں اُبھن چکا ہوں۔"

"تو تم اس سے جلد از جلد فارغ ہو جاؤ۔"

"میں کوشش کروں گا۔ یا پھر اس کیس کو بعد میں دیکھ لیں گے۔ قاری جان تو اب اپنی جان دے، ہی پچکا ہے۔" انھوں نے کہا۔

"ایسا کہرو۔ میں تم پر چھوڑتا ہوں۔"

"جی۔ بہتر اسکی بکری نہ کریں۔"

اور وہ پھر اپنے دفتر میں آئے:

"اکرام۔ وہاں سے اُنگلیوں کے نشانات ملے؟"

"نہیں سر۔ صرف قاری جان کے ملے ہیں۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ اب تھیں ایک اور کام کرنا ہے۔"
اور وہ کیا؟

"یہ کچھ نام اور پتے ہیں۔ ان میں سے جو دارالحکومت
کے لوگ ہیں۔ ان کے بارے میں تکمیل معلومات چاہیں،
یعنی یہ اب کہاں ہیں۔ کہاں ملازمت کر رہے ہیں۔
اور یہ کہ وہ خوش تو ہیں، انھیں کوئی پر مشانی تو نہیں؟ انھوں
نے جلدی جلدی کہا، پھر چونک کر بلے:

"اور ٹالی! پہنچتے ہیں نے نوٹ کر لیے ہیں۔ اور
ذالے صرف پانچ۔ انھیں، ہم خود چیک کریں گے۔
جی، بہتر۔ اکرام نے فوراً کہا۔

وہ کھر پہنچے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اپنکڑ جہشید
سے جو تھی ریسیور اٹھایا، بیگم کامران کی آواز سنائی دی۔
آخر، ہم آپ لوگوں کا اور کتنا انتظار کریں گے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں بھابی۔ ہم ابھی ابھی ہوئے ہیں،
زوپری جانا پڑ گیا تھا۔ میرے اپنے کھر میں ایک شخص
کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اور وہ بے چارہ مجھ سے ملاقات
کرنے آیا تھا۔ لہذا مقتول کے رشتے داروں سے ملا
اور اس واردات کی اطلاع دینا میرا فریضہ تھا۔ آپ
سمیح ہی سکتی ہیں۔ اور اس ارب ہم بہت جلد یہاں سے

روانہ ہوں گے۔"

"اوہ اچھا۔ تب تو ٹھیک ہے۔ انھوں نے کہا اور السلام علیکم

کر کر ریسیور رکھ دیا:

"میرا خیال ہے۔ اب ان پانچ پتوں کو چیک کرنے
کا کام بھی آپ انکل اکرام کے حوالے کر دیں۔ اور ادھر
پلنے کی تیاری کر لیں، درنہ آنٹی کا پارہ اور گرم ہو جائے گا۔
ہاں! میں یہی سوچ رہا ہوں۔ اور پھر خان رحمان اور

پروفیسر داؤڈ سے بھی تو پوچھنا ہے۔"

"جی، ان سے کیا پوچھنا ہے؟ محمود نے پھونک کر کہا۔

"یہی کہ وہ اس مم پر ہمارے ساتھ چل رہے ہیں یا نہیں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

"اچھا تو پھر تم ان سے بات کرو۔ میں اکرام سے

بات کر لوں۔"

"جی، بہتر۔" محمود نے کہا اور پھر پروفیسر داؤڈ کے نیز

ملانے لگا۔ جونسی سلسلہ ملا۔ فاروق نے ریسیور اس کے

لامپھ سے اچک لیا:

"یہ کیا؟" محمود سے بھنا کر کہا۔

"تم سے بہتر انداز میں یوں کہہ میں بات کرتا ہوں۔ اس

لیے۔" فاروق مسکایا۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تم اور میری نسبت بہتر انداز میں بات کر دے گے۔" محمود نے آنکھیں نکالیں۔
"ہاں آکرنے کو اس دنیا میں کیا نہیں کیا جا سکتا۔"
فاروق گلگنیا۔

"بھی پہنچ جھوٹ سے تو بات کرو۔" ریسیور میں سے پروفیر داؤڈ کی آواز سنائی دی۔

"اوہ! سوری انگل۔ آپ سے ہم ایک لمحی بات پوچھنا چاہتے ہو۔ پوچھنے کی بات سرے سے نہیں ہے۔"
"تو پھر یکوں پلوچھ رہے ہو۔" انھوں نے جیران ہو کر کہا۔
"اس لیے کہ آپ کو پھر معلوم کیسے ہو گا کہ ہم آپ کے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔" فاروق مسکرا یا۔

"ہست خوب۔ بات درست ہے۔ پوچھو۔"

"ہم جا رہے ہیں۔ انگل کامران مرتضیٰ اور شوکی برادرز کی تلاش میں۔ اس تلاش میں آپ ہمارے ساتھ چل رہے ہیں۔ بس یہ بات آپ کو بتانا تھی۔"

"اور خان رحمان؟"

"اب انھیں فون کر رہتے۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" پروفیر داؤڈ، منس کر دے۔
"جی کیا فرمایا۔ کوئی ضرورت نہیں۔" فاروق نے جیران

چوکر کہا۔

"ہاں! میں خود، یہ انھیں ساتھ لے آتا ہوں۔"

"تو پھر انگل ذرا جلدی کریں۔ ہم ایک طرح سے

تیار ہی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم دو طرح سے تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ بولے۔"

"آج آپ کا ارادہ ہمارے کان کاٹنے کا تو نہیں۔"

"بھی حضرت تو بہت ہے۔ لیکن آج تک یہ حضرت یوری نہیں ہو سکی۔"

"اللہ کی مرضی انگل؛ اس میں ہم غریب کیا کر سکتے ہیں۔"
فاروق بولا۔

"اچھا، ہم آرہے ہیں۔"

"تش شکریہ۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اور یہ شکریے کے دل میکڑے کس خوشی میں کیے؟" پروفیر داؤڈ نے پوچھا۔

"ماں کے ڈبل شکریہ معلوم ہو۔"

پروفیر داؤڈ، منس پڑاے اور ریسیور رکھ دیا۔

ادھر انپکٹر جمیں اپنے اسٹنٹ سب انپکٹر اکرام کو
ہدایات دے رہے تھے:

ہم میں کام آ جائیں۔ اس صورت میں تم اس کیس پر
ہم قاری رکھنا۔ قاری جان ضرور کوئی خاص مات بتانا
پہنچتا تھا۔

”جی ہاں! یہ تو ہے۔“

اور انہوں نے رسیور رکھ دیا۔

”اب میرا خیال ہے۔ کھانا بھی کھا، ہی لینا چاہیے۔“
بھی جشید نے جھلتے ہوئے انداز میں کہا۔

”لیکن بیگم۔ پروفیسر داؤد اور خان رحمان ٹھرہے ہیں۔“
بھی کھانا ان کے ساتھ ہی کھایا جاتے۔

”یہ کھانے کا وقت نہیں ہے۔ وہ کھا چکے ہوں گے۔“
بھی جشید نے تملک کر کہا۔

”اوہ۔ واقعی۔ آؤ بھی۔ اب کھانا کھا، ہی لیں۔“ ورنہ
قاری اتمی کا غصہ آسمان سے باہیں کرنے لگے گا۔
”آسمان سے تو یہ پہلے ہی باہیں کر رہا ہے۔“ بیگم
بڑا بولیں۔

”تب پھر تم ہی بتاؤ۔ میں کیا جعلہ، یوں ہے۔“
”پھر بولنے کی ضرورت نہیں۔ کھانا کھا لیں۔“
اور وہ کھانا کھانے لگے۔ اسی دوران خان رحمان اور
پروفیسر داؤد آگئے۔

”دیکھو اکرام! ہمیں خوبی طور پر جانا پڑ گیا ہے۔“
یہاں صاحبہ ناراض ہو رہی ہیں۔ اب ہم مزید نہیں
رک سکتے۔ اُپر والے پانچ پتے بھی تم ہی چیک کر
لینا۔ اور جو بات بھی معلوم ہو۔ اس کے بارے میں
بھی فون کر دینا۔ دوسری بات سے روپڑی میں، ہمارے
ایک دو آدمی تو ضرور ہوں گے، ان کی ڈیوٹی الائیکو پر لگا
رو۔ وہ ہر وقت اس کی نگرانی کریں۔ خاص طور پر اس
کے مالک کی۔ کیا بھی ہے؟“

”بانکل بھی گی سر۔ آپ کوئی فکر نہ کریں۔“ اکرام نے
فرو رکھا۔

”اس کیس کو میں بعد میں آ کر دیکھوں گا۔ امید ہے،
ایک دو دن تک شوکی برادرز اور انپکٹر کامران مزما پارلی
کو ڈھونڈ بکالیں گے۔ پھر آ کر قاری جان کے کیس پر
کام کریں گے۔ بس تم اس وقت تک زیادہ سے زیادہ
معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو۔“

”آپ فکر نہ کریں سر۔ جب آپ واپس آئیں گے
تو آپ کے لیے بہت معلومات جمع ہو چکی ہوں گی۔“
اکرام نے کہا۔

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے اکرام کہ ہم واپس نہ آ سکیں،“

"دیکھا۔ ہمارا انتظار تک نہیں کیا کھانے پر۔ اور خود شروع ہو گئے۔ خان رحمن نے شکایت بھرے لبھے میں کھا۔ تمہاری بھابی کا کہنا تھا کہ یہ وقت کھانے کا نہیں ہے آپ لوگ کھانا کھا چکے ہوں گے۔"

"لیکن بھابی کے لا تھد کا لکھا تو ہم کسی وقت بھی کھا سکتے ہیں، کیون پروفیسر صاحب؟" "بالکل۔ بلکہ میری تو جھوک چمک لائی ہے۔ انھوں نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"تو پھر شروع ہو جاؤ۔"

کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ وہاں سے روانہ ہو گئے اور پھر شوکی کے گھر پہنچ گئے۔ وہاں سے بیگم کامران مرزا کو فون کیا گی:

"ہیلو بھابی! آپ کو یہاں پہنچ کر فون کر رہے ہیں۔ ہم ابھی اور اسی وقت ان کی تلاش شروع کر رہے ہیں۔ آپ بس دعا کریں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی مصلی بچھا کر نماز شروع کرتی ہوں۔ نماز کے بعد دعا مانگوں گی۔ بیگم کامران مرزا نے جلدی جلدی کہا۔

انپکٹر جمیٹ نے مکراتے ہوتے ریسیور رکھ دیا، پھر وہاں

سے یہدھے سیٹھ روگڑ والا کی کوٹھی پہنچے۔ کوٹھی بالکل غالی پڑی تھی۔ البتہ فرش پر ایک کی زندگ فروڈ پڑتا تھا۔ اس میں دو چابیاں تھیں اور ایک نخا سا ہوتا بھی لٹکایا ہوا تھا۔

انپکٹر جمیٹ نے جھک کر اس کی زندگ کو اٹھایا۔ یہ میں اچانک پروفیسر داؤڈ کے چہرے پر حیرت کے لازم نظر آنے لگے۔

عَظِيمُ غُوا

”جمشید! یہ کی رنگِ ذرا بُجھے دکھانا۔“

اخنوں نے کی زنگ ان کی طرف بڑھا دیا۔ پروفیر داؤڈ اس کو اُٹھ پڑ کر دیکھتے رہے، پھر جیب سے ایک سا آکہ نکال کر اس کی زنگ کے نزدیک لے لے۔ اچانک انھیں ایک جھٹکا لگا:

”خیر تو ہے انکل۔ کیا اس میں کرنٹ ہے؟“

”نہیں! یہ عام کی رنگ نہیں ہے۔ یہ ہماری باتیں سنتنے کے لیے ہے۔ ہم نے اب تک اس عمارت میں بُختی چھوڑ رے ہوں۔“

”بھی باتیں کی ہیں، وہ سُنی جا چکی ہیں۔“

”ہم نے ابھی باتیں ہی کیا کی ہیں؟“

”یکن جمیشید۔ اگر تم اس کو اپنی جیب میں رکھ لیتے۔ یعنی“

”تو اپنے لامپ سے بسم اللہ کریں۔“ محمود نے کہا۔

”پروفیر داؤڈ نے سگریٹ لائٹر کی مدد سے اس بجھتے کو“

”میں چیک نہ کرتا تو تم ضرور یہی کرتے۔ اس صورت میں“

”وہ ہمارے ہر پروگرام سے واقف ہوتے رہتے۔“

”اوہ۔ اوہ۔ ان کے منہ سے نکلا۔“

”تب پھر ہو سکتا ہے۔۔۔ انپکٹر جمیشید کہتے کہتے رک گئے۔“

”جی۔ کیا ہو سکتا ہے؟“ محمود چونکا۔

”بھی ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا۔“ فاروق مسکرا یا۔

”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جھلکا کر اپنی ران پر ٹا تھر مار کر کہا۔

”میں کہ رہا تھا، ہو سکتا ہے۔ اس قسم کا کی رنگ انپکٹر کامران مزما کو بھی ملا ہو۔ جب وہ شوکی برادری کی تلاش میں یہاں آئے ہوں۔“

”اوہ ہاں۔ یہ تو واقعی ہو سکتا ہے۔“ خان رحمن بولے۔

”پہلے ہم اس کوٹھی کی اپٹھی طرح تلاشی لے لیں۔“ شاید ان لوگوں نے اغوا ہونے سے پہلے کوئی آثار یہاں پھوڑ رے ہوں۔“

”جی نہیں۔ اس سے پہلے اس کی رنگ کو تباہ کرنا ہو گا۔“

”تو اپنے لامپ سے بسم اللہ کریں۔“ محمود نے کہا۔

”پروفیر داؤڈ نے سگریٹ لائٹر کی مدد سے اس بجھتے کو“

”جلادیا اور دلیں سے گور پھینک دیا۔“

"اب کم اذکم ایک اطمینان تو ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ
ہماری باتیں نہیں سن رہے۔ پر وہ فیر داؤد بولے۔
"بالکل صحیح! آئیے۔ اب اس کوٹھی کی تلاشی لیں۔
انپکٹر جمیڈ نے کہا۔

انھوں نے کوٹھی کا ایک ایک چھپہ دیکھہ ڈالا۔ آخر وہ
س کمرے میں آئے۔ جس میں سے تو خانے کا راتا
نکلتا تھا۔

"یہ رہا آفتاب کا روکمال۔ اور یہ ہے اصف کا پنسل
تراس۔ گویا وہ راسی کمرے سے غائب ہوتے ہیں۔ فرزانہ
ذرخود کرنا۔ اس کمرے میں کسی تو خانے کا راستا تو
نہیں نکلتا۔"

"جج۔ جی بہتر!" فرزانہ ہسکلائی۔

ان سمجھی نے کمرے کو خود سے دیکھا اور پھر تو خانے
کا راستا تلاش کریا:

"یہ ایک جال ہے۔ انپکٹر جمیڈ بولے۔

"جی کیا مطلب؟"

"اگر وہ چاہتے کہ، تم تو خانے کا راستا تلاش نہ کر
پائیں تو یہ چیزیں یہاں کبھی نہ چھوڑتے۔ ان چیزوں کے علاوہ
تو خانے کرنے کے لیے یہ آسانی نہ پیدا کرتے۔ یعنی؟"

جو حاشیہ لگایا گیا ہے:

"اس کا مطلب ہے۔ وہ چاہتے ہیں، ہم تو خانے میں
 داخل ہو کر ان تک پہنچ جائیں۔ چلیے۔ اس طرح ہم
 اپنے ساتھیوں تک تو پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد رہنی
 کی بھی تدبیر کر لیں گے۔" خان رحمن نے جلدی جلدی کہا۔
"بالکل صحیح! آئیے پھر۔"

وہ تو خانے میں داخل ہو گئے۔ وہاں سے سر زنگ
 میں چلن پڑا اور اس کے بعد وہ دوسری عمارت تک پہنچے،
 اس عمارت کے کمرے میں انھیں بے ہوش ہونا پڑا۔
 ہوش میں آئے تو سر بھاری تھے۔ اور وہ ایک بڑے
 ہل کے فرش پر پڑے تھے۔ آنکھیں کھلیں تو اچھل کر
 کھلے ہو گئے۔

"آخر انھیں ہوش آہی گیا۔" انھوں نے کسی کی
 آواز سننی۔

"ہاں آ کیتا تو پھر۔ ہمارے باقی ساتھی کہاں ہیں،
 جلد ان سے ملوایں۔ ورنہ ہم پھر سے بے ہوش ہو
 جائیں گے اور آپ کوشش کے باوجود ہمیں ہوش میں
 نہیں لا بکیں گے۔"

"ابھی آپ کے باقی ساتھی بھی یہیں آ جائیں گے۔"

اپ لوگ تو ہمارے بہت معزز قیدی ہیں۔"

اسی وقت ہال کا دروازہ کھلا۔ پہلے انپکٹر کامران مرزا پارٹی اندر داخل ہوئی، پھر شوکی برادرز اندر آتے۔

"ہمیں۔ یہ واقعی اپ لوگ ہیں یا یہ آپ کے بھوت ہیں؟" فاروق بولا۔

"بھوتوں کی بھی ایک ہی کہی۔ دیکھ بھو سکتا ہے۔ ہم ہم نہ ہوں۔ بلکہ یہ ہمارے بھوت ہی ہوں۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"بھی پہلے علیک سیک۔ گلے ملنا وغیرہ تو ہو جائے۔ آخر اتنے دنوں بعد ملاقات ہو رہی ہے۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"نیک مشورہ ہے۔" انپکٹر جمیڈ مسکراتے۔ اب انہوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملاتے۔ گلے بھی ملے۔ پھر سب فرش پر بیٹھ گئے، کیونکہ اس ہال میں فرنچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

"ہم ہیں کہاں؟" انپکٹر جمیڈ بولے۔

"یہ تو ہمیں بھی معلوم نہیں۔"

"تو پھر کے معلوم ہے؟"

"جو لوگ ہمیں یہاں تک لائے ہیں۔ انھیں تو کم از

کم ضرور معلوم ہو گا۔ کیونکہ اگر انھیں معلوم نہیں ہو گا تو پھر کس کو معلوم ہو گا۔ اور دوسرے یہ کہ اگر انھیں بھی معلوم نہیں تو پھر ہم شاید، سی اپنے گھروں تک جا سکیں گے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔ "یاد خاموش رہو۔" آصف نے جھلانا کر کہا۔

"ایک میرے خاموش رہنے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو گا۔" فاروق بولا۔

"کیا ان لوگوں نے اب تک اس غلطیم اخوا کے بارے میں کچھ بتایا؟"

"نہیں۔ ابھی تو بس مہان نوازی، ہی کیے جا رہے ہیں۔ بہترین قسم کے کھانے کھلا رہے ہیں۔ پتا نہیں، ہمیں موٹے کرنے کا پروگرام ہے کیا۔" جیسے قربانی کے بکروں کو پہلے خوب مولنا کیا جاتا ہے۔" انپکٹر کامران مرزا نے جلدی جلدی کہا۔

"اڑے بچ پرے۔ کیا چیز یاد کردا۔" قربانی کے بکرے۔" مکھن نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں کیوں۔ کیا ہوا؟"

"بے چاروں کی کس طرح کھال اُترتی ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"اگر اتنا ہی ترس آ رہا ہے۔ تو ان کی جگہ اس بار تم اپنے گلے پر چھری پھروالا یعنی۔"

"یکن ایک میرے ایسا کرنے سے کیا ہو جائے گا، قربانی تو پورا عالم اسلام کرتا ہے۔ اور پھر یہ ایک ضابط ہے۔ اس ضابطے کو تبدیل تو کیا ہمیں جا سکتا۔ میرا مطلب ہے۔ حلال جانور ہی ذبح کیے جا سکتے ہیں۔"

"ہم کس بات میں الجھ گئے۔ بات ہو دیجی تھی۔ آخر ہمیں کیوں انخوا کیا گیا ہے؟"

"اب اس سوال کا جواب دینے کا وقت آگیا ہے۔" اسی وقت ہال میں آواز گوئی۔ انھوں نے چاروں طرف دیکھا، یکن بولنے والا کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"آپ کون ہیں جناب اور کہاں ہیں۔ ہم تو وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ اپنی خبر نہیں آئی۔" فاروق نے گلگلنے کے انداز میں کہا۔

"شاعری کرنے لگے ہو کیا آج کل۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں یاد۔ بس کبھی سمجھا رکسی شاعر کی رُوح مجھ میں حلول کر جاتی ہے شاید۔ کو تو اس رُوح کو تمہاری طرف

یقین دوں۔"

"اے باپ رے۔ آفتاب نے گھرا کر کہا۔

"تم لوگوں کو ایک بہت عظیم مقصد کے لیے یہاں لایا گیا ہے۔ سُن کر پھر کم اٹھو گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر ہم سُننے سے پہلے ہی پھر کم جاتے ہیں۔ مکھن نے کہا۔

"لوگوں کیا مزا آتے گا؟"

"تمھیں ان حالات میں بھی مزے کی پڑی ہے۔"

"ساتھ میں اگر مزا بھی لے لیا جائے تو کیا عرج ہے؟"

"اچھا بھائی۔ آپ لے لیں مزے۔ ہماری خیر ہے،"

ہاں تو وہ عظیم مقصد کیا ہے؟"

"پہلے یہ بتاؤ۔ تم لوگ ہو کہاں؟"

"ہم لوگ کہاں ہیں۔ جملایہ، ہم کس طرح بتا سکتے ہیں۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں اور کیا۔ ہم کوئی اپنے ملک کے مشہور و معروف بخوبی ہیں۔ آصف جلدی سے بولو۔"

"چلو اتنا ہی بھا دو۔ اپنے ملک میں ہو یا ملک سے باہر؟ پوچھا گیا۔"

"ظاہر ہے، اپنے ملک میں ہی ہیں۔" تم اتنے بہت

"یجھے۔ کر لیجھے بات۔ فرحت مسکرانی۔"

"بات، ہی تو کر رہے ہیں۔ کان تو خراب نہیں ہو گئے تھارے۔ کافوں سے گونگی تو نہیں ہو گئیں تم۔ آفتاب نے جھلانے ہوتے انداز میں کہا۔

"منا آپ لوگوں نے۔ کافوں سے گونگی۔ کل کو یہ حضرت کہیں گے۔ من سے بھری تو نہیں ہو گئیں۔ ہے کوئی تھک۔" مکھن نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"تو یہاں میک کی کوئی بات ہے کیا۔" آفتاب نے اسے گھورا۔

"نظر تو نہیں آ رہی۔"

"جتنی جی چاہے باتیں کرو۔ آخر کو تو ہمارا پروگرام سننا ہی پڑے گا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں پڑے بھائی۔ ہم تو دل و جان سے آپ کی باتیں سننے کے لیے تیار ہیں، آپ سنائیں بھی تو، آپ تو خود خاموش ہو جاتے ہیں۔"

"تم لوگوں کی باتیں سننے کے لیے رک جاتا ہوں۔ مجھے بھی بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"مارے گئے پھر تو۔ اب اپنی کون خاموش رہنے کے لیے کہے گا۔" تو نکال لیں گے پوری طرح اپنے بال اور

سے لوگوں کو آسانی سے تو ملک سے باہر نہیں لے جاسکتے۔ آفتاب نے کہا۔

"یہی جاننا چاہتا تھا میں کہ تھارا اس بارے میں کی خیال ہے۔" اس بارہنس کر کہا گیا۔ "لیکن محترم غائب صاحب۔ آپ ہنس کس بات پر رہے ہیں؟" "تم لوگوں کی نادانی پر، بے دوقوئی پر، سادگی پر۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"کچھ اور چیزیں رہ گئی ہوں تو ان پر بھی ہنس لیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔ "وقت آنے پر ان سب پر بھی ہنسوں گا۔ پہلے تم صرف یہ سُن لو کہ تم لوگ اپنے ملک میں ہرگز نہیں ہو۔"

"ہمیں! کیا واقعی؟" "ہاں بالکل! اس میں ایک فیصد بھی جھوٹ نہیں ہے۔" "اچھا کمال ہے۔ ہم مُفت میں اپنے ملک سے باہر آ گئے۔ بھئی واہ! مزا رہے گا۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔ "ایک تو ان لوگوں کا چھکنا بند نہیں ہوتا۔" فرزانہ نے تسلیا کر کہا۔

"چلنے دو فرزانہ۔ مزا آ رہا ہے۔" پروفیسر داؤڈ ہنسے۔

پر۔ فرزاد نے بُرا سا منہ بنایا۔

"یہ بال اور پر کھاں سے نکل نہ تے۔" فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

"محاذات کی لفظ سے۔ آفات خوراً بولا۔

"خیال رہے۔ ہم بوگ۔ یعنی طڑی پارٹی ابھی تک کوئی بات نہیں کر سکی۔ سوائے ایک آدھ بچے کے۔ گویا ہمیں تو بات کرنے کا موقع میک نہیں۔ بل رہا ہے۔ انپکڑ جمیڈ نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا۔

"آپ نے یہ اعلان کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ محدود کے لجھے میں حیرت تھی۔

"اپنا حق محفوظ رکھنے کے لیے۔ جب، ہماری باری آتے گی تو ہم بھی تم لوگوں کو چھروانے نہیں دیں گے۔

"ناممکن۔" خان رحمان مسکراتے۔

"ناممکن۔ کیا ناممکن؟ پروفیسر داؤڈ نے حیران ہو کر کہا۔

"یوں تو خیر۔ ہونے کو کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔"

"بھی۔ بہت سی باتیں اس دُنیا میں ناممکن بھی ہیں، مسکے کو گذرا دیا کر دیا۔ انپکڑ کامران مرزانے بخیدہ لجھ میں کہا۔

"اوہ ماں! یہ تو صحیح ہے۔" خان رحمان بولے۔

"مثلاً۔ کوئی ایک آدھ ناممکن بات۔" آواز آتی۔

"یعنی۔ یہ حضرت بھی ہماری گفت گو میں شریک ہو گئے۔" شوکی بولا۔

"اب اور کیا کروں۔ یوں بھی مجھے اپنی بات سنانے کی کوئی جلدی نہیں۔ ہمارا پروگرام اتنا چھوٹا سا نہیں ہے۔" آواز آتی۔

"ناممکن باتوں کی بھی کیا بات ہے۔ ایک تو یہی بات ہممکن ہے کہ انسان مر کر دوبارہ اس دنیا میں نہیں آلات۔ لیکن اب وہ بات تو معلوم ہو جائے۔ جس کی پہلیاد پر ہمیں اخوا کیا گیا ہے؟"

"میں کہ رہا تھا کہ تم لوگ اپنے ملک میں نہیں ہو۔ لیکن ملک میں ہو، یہ نہیں بتایا جائے گا۔ بس تم لوگوں سے کام لیا جائے گا اور اس کے بعد..."

"اس کے بعد ہمیں ختم کر دیا جائے گا۔"

"نہیں! کام کے آدمیوں کو ہم کیوں ختم کریں گے، جب ضرورت پڑے کی، پھر اخوا کرایں گے۔"

"اور اگر ہم آپ لوگوں کا کام کرنے سے انکار کر دیں تو۔"

"اس صورت میں شوکی برادر اپنی والدہ کو۔ محدود،

فاروق اور فرزانہ اپنی والدہ کو اور آفتاب اپنی والدہ کو زندہ سلامت نہیں دیکھ سکیں گے۔

”کیا مطلب؟ ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”مطلب یہ کہ وہ تینوں اب ہمارے قبضے میں ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر بعد تم لوگوں کو دکھا دی جائیں گی، اگر آپ نے ہمارا کام کرنے کی جانی بھر لی۔ تو ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جائے گا۔ وہند ان کے ساتھ جو سلوک ہوگا، اس کے بارے میں صرف سن کر تھارے رو نگزٹھے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ وہ مناظر دیکھ کر قوم لوگوں کا ہمارٹ ہی فیل ہو جائے گا۔“

”ابھی بات ہے۔ ہم مان لیتے ہیں کہ ہم آپ لوگوں کا کام کرنے پر مجبور ہیں۔ کام کیا ہے۔ یہ بھی تو پتا چلے۔“

”آج شام چاربجے ہم آنے سامنے بیٹھ کر بات کیں گے، ن دراصل اس خیال میں رہے اب تک کہ دروازہ باہر اس وقت باس بھی ہوں گے۔“

”ہمیں ہم تو اب تک آپ کو باس سمجھتے رہے۔“

”میں تو باس کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ منصوبے کا باس لئیں کی قید میں چلے جائتے ہیں۔ تو یہی خیال کرتے ہیں بہت بڑی شے ہیں۔“

”مم۔ منصوبے کا باس۔“ فاروق نے کھوئے کھوئے

ہیں کر سکے۔“

”لہذا میں کہا۔“

”ہاں ہاں! کہ دو۔ یہ تو کسی نادل کا نام ہو سکتا ہے۔“
لہذا نے جمل کر کہا۔

”تم یکوں جلی جا رہی ہو۔ یہ بات سمجھ میں آئی نہیں۔“
فاروق بولا۔

”جلتی ہے میری جوتی۔“ فرزانہ نے بھٹا کر کہا۔

”اوے ہاں یاد آیا۔ مٹتا ہے تم لوگ اپنے دشمنوں کی ہد سے نکلنے کے بہت ماہر ہو۔ تھارے پاس شام کا وقت ہے۔ یہاں سے نکل کر دکھا دو۔
زمائن۔“

”آپ کا مطلب ہے۔ اس کمرے سے؟“
”نہیں۔ اس وادی سے، کمرے میں تو تم لوگ قید ہوئی نہیں۔ اس کا دروازہ باہر سے بند نہیں ہے۔
اگر ہم اس کا دراصل اس خیال میں رہے اب تک کہ دروازہ باہر اس وقت باس بھی ہوں گے۔“

”جب بھی، میں اخوا کیا جاتا ہے۔ یا، ہم اتفاق سے اخوا کی قید میں چلے جائتے ہیں۔ تو یہی خیال کرتے ہیں کہ دروازہ باہر سے بند ہوگا، اس لیے اس بار بھی چیک ہیں کر سکے۔“

"اوہ ہو۔ تو دروازہ کھلا ہے۔ دھت تیرے کی۔" محمود
اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"بلکہ حد ہو گئی۔ آصف نے بھی چھلانگ لگائی۔

اور پھر وہ سب دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔

"ارے ارے۔ ٹھہر دھمکی۔ رک جانا۔ ہم بھی ساتھ

چل رہے ہیں۔ اس طرح اندرھا دھنڈ جانا مناسب نہیں،
یہ چال بھی ہو سکتی ہے۔" انپکٹر جمیش نے چلا کر کہا۔

لیکن وہ کہاں رکنے والے تھے۔ باہر نکل گئے۔

اب بڑی پارٹی کو بھی فوراً باہر نکلا پڑا۔ اور وہ یہ دیکھو

کر جیران رہ گئے کہ ایک حودی پہاڑوں کی وادی میں

تھے۔ پہاڑ بالکل سیدھے تھے۔ ذرا بھی ٹھلوان نہیں تھے

اور ان پہاڑوں پر بغیر کسی سامان کے چڑھنے کے بارے

میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

"باب رے۔ اس قدر خوفناک وادی۔" انپکٹر جمیش بولے۔ ہیں تھا۔

"اور ہم پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہیں۔"

"کم از کم ہمارے ملک کے آس پاس کے کسی ملک میں خان

تو اس قسم کی کوئی وادی نہیں ہے، ورنہ جہاز کے سفر کے

دوران تو یہ وادی نظر آتی۔"

"اس کا مطلب ہے۔ ہم کسی دور دراز کے ملک میں

لکھ میں ہر چیز موجود ہے۔"

سجادیے گئے ہیں۔ اور مصیبت یہ ہے کہ ہم میں سے
کسی کے پاس گھٹری نہیں چھوڑی گئی۔ محمود۔ تم ذرا اپنا
باڑ دیکھنا۔" انپکٹر جمیش نے چونک کر کہا۔

اس نے فوراً ایڑی سر کاٹی۔ اور دھک سے رہ گی:
"نہیں ابا جان اچاقو یہاں نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ ہمارے پاس کوئی چیز بھی نہیں
بھواری گئی۔"

"ہوں! پتا نہیں۔ یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟"

"اوہ بھئی۔ پہلے ذرا اس وادی میں گھوم پھر کر دیکھ
تھے۔ ان کا مقصد تو شام کو معلوم ہو، سی جائے گا۔
اور ان پہاڑوں پر بغیر کسی سامان کے چڑھنے کے بارے
والی میں پتھروں سے بنے ایک مکان کے سوا اور کچھ

تھا۔

"اں۔ لیکن ہم یہاں کھائیں گے کیا۔" ایسے میں خان
کھڑک اٹھے۔

"اوہ خان رحمان! یہ کیون خلم کی۔ مم۔ مجھے بھوک لگ گئی۔"
نکر نہ کرو بھئی۔ کھائے پینے کی ہر چیز ملے گی۔ اس

اوہ اتاب تو ٹھیک ہے۔"

پروفیسر داؤڈ نے خوش ہو

کر کوا۔

پوری وادی دکھ دالی گئی۔ اس سے نکلنے کا قطعاً کوئی راست نہیں تھا۔ آخر تھک ہار کروہ پھر اس مکان میں داخل ہوتے اور خوداک کے ڈبوں سے خوداک نکال نکال ہر ان مرزا کو اور پھر ہم دونوں کو حکم دیا کہ اپنے باقی کر کھانے لگئے۔ واقعی اس مکان میں کھانے پینے کی چیزیں مانی ہیں کھانے کے اندر اندر جگا دیں۔ صرف تین کا اس تدریجی ذمیرہ تھا کہ ان سے چھے ماہ تک ختم نہیں ہو سکتا تھا؛ تاہم انہوں نے کوئی فضول خرچی نہ کی۔ نہ ضرورت سے زائد کھایا، نہ کھانا خانع کیا۔ جیسا کہ کل عام طور پر دعوتوں میں ہوتا ہے۔ ہر چیز کے دردی سے خانع کیا جاتا ہے۔

کھانے کے بعد ان سب کو گھری نیند نے آیا۔ اس کھانے میں کوئی بات تھی۔ وہ نیند پر کسی طرح قابو نہ پا سکے۔ لہی کی آمد کے آثار نہیں تھے۔ نہ ان کے علاوہ کوئی اور آنکھ کھلی تو ان سب کو جھنجور جھنجور کر جگایا جا رہا تھا۔ نظر آیا، یہیں پھر ٹھیک اڑھائی منٹ بعد ایک ہیلی کا پڑھ کھانے والے انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمیش تھے۔

"خیر تو ہے آبا جان! آپ ہمیں کیوں اٹھا رہے تو یہ ہے منصوبے کا باس۔" انسپکٹر جمیش بڑھا تھا۔ "یہ آپ سوچ سکتے ہیں آبا جان۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟" یہ نیند نہیں، بلے ہوشی تھی۔ وہ بولے۔

"مم۔ میں کس طرح سوچ سکتا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی جانا پہچانا مجرم ہو۔"
دیکھا جاتے گا"

ہیلی کاپٹر بہت تیزی سے نیچے آ رہا تھا۔ اور پھر
وہ زمین پر ٹک گیا۔ چند سینٹر بعد کوئی اس سے نیچے
اٹنے لگا۔
ان کی نظریں اس پر جنم گئیں۔

سوال

وہ بے قدر کا دبلا پتلا سا آدمی تھا۔ انہوں پر تاریکی
شیشوں کی یعنک تھی۔ دائمیں کلائی پر بندھی شہری چین والی
گھڑی سورج کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ اس کے چہرے
ہر ایک مُمکراہٹ تھی، دوستہ مُسکراہٹ۔ اس کا چہرہ انھیں
ملنا پہچانا سا لگا، لیکن پھر بھی وہ جان نہ سکے کہ وہ کون
ہے۔ ہیلی کاپٹر سے اترتے ہی وہ سیدھا ان کی طرف
آیا اور مُمکراہٹ کو لولا:

"میں اپنے بھائیوں کو خوش آمدید کرتا ہوں۔"
"بھائیوں کو نہیں، قیدیوں کو۔ فاروق نے جل جھن کر کہا۔
"یر آپ نے کیا کہا۔ آپ ہمارے بھان، ہیں۔ آپ
کو ضرور غلط فہمی ہوتی ہے۔"
"تب پھر ہمارے گھروں سے عورتوں کو کیوں لا یا گیا
ہے۔ انہوں نے کہا۔

"صرف اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں آپ انکار نہ کر دیں۔"

"کس بات سے؟"

"جس کام کے لیے آپ کو یہاں لایا گیا ہے۔"

"خیر۔ پہلے تو تعارف ہو جائے۔ آپ کا نام کیا ہے، اگرچہ آپ کا چہرہ جانا پہچانا ہے۔ میکن پھر بھاہم جان نہیں سکے کہ آپ کون ہیں؟"

"اسی کو میک آپ کا کمال لکھتے ہیں۔ وہ بولا۔"

"کیا مطلب؟"

"میک آپ اس خوبی سے کیا گیا ہے کہ جانا پہچانا چہرہ نہیں کے باوجود آپ لوگ مجھے نہیں پہچان سکے۔ نہ میری آواز سے جان سکے کہ میں کون ہوں۔ نہ میرے لب دلجھے اور چال ڈھال سے کوئی اندازہ لگا سکے۔ کیا کاری گری نہیں ہے؟"

"بے شک یہ کاری گری ہے۔ انپکٹر جمیڈ، ہولے۔"

"آپ کے لمحے کی سمجھدگی کہ ربی ہے کہ آپ نے یہ بات دل سے کھی ہے۔"

"محبوب تو ہم ویسے بھی نہیں بولتے۔ انپکٹر کامران مرتضیٰ مسکرائے۔"

"اچھا۔ اب ذرا ذہن پر زور ڈالیں اور بتائیں۔ میں کون ہوں۔ یا کم از کم اتنا بتا دیں کہ میں کون ہو سکتا ہوں۔" وہ بولا۔

"ہم دیکھ بھی رہے ہیں اور غور بھی کر رہے ہیں۔ آپ اپنی بات جاری رکھیں۔ جو نہیں ہم نے آپ کو پہچانا بتا دیں گے۔"

"خبر یونہی سی۔ آپ اگر یہ وعدہ کر لیں اور ہمارا کام کریں گے۔ کام چاہے کچھ بھی ہو تو ہم اسی وقت یعنی خواتین کو آپ کے نلک بھجوادیں۔"

"جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ کام کیا ہے، ہم اس قسم کا کوئی وعدہ نہیں کر سکتے، یکونکہ ہو سکتا ہے، وہ کام ہمارے نلک کے خلاف ہو اور ملک کے دشمنی تو ہم سے ہونہیں سکتی۔ چاہے آپ ہماری خود ہوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے ذبح کیوں نہ کر دیں۔"

"ہوں۔ اچھا۔ ہم اس پر غور بعد میں کہوں گے کہ آپ سے وعدہ پہلے لیا جاتے یا بتایا جائے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔"

"آپ صرف ایک بات بتا دیں۔ اور وہ یہ کہ اس کام سے عالم اسلام کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بس پھر

کا صرف جواب دیں گے۔

"کیا وہ اس کام کے بارے میں بات کریں گے جس کے لیے ہمیں بلایا گیا ہے؟"

"ادے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ تو بس آپ سوکھ کو دیکھنے کے خواہش مند ہیں؟"

"تو پھر چلیے۔ ان کی خواہش بھی پوری کر دیتے ہیں۔"

انھیں اسی ہیلی کا پڑھ پڑھایا گیا۔ یہ ایک بہت بڑا

ہیلی کا پڑھتا اور اس پر کافی آدمیوں کی گنجائش تھی۔

جلد ہی ہیلی کا پڑھ اور اٹھنے لگا۔ وہ اس پر بیٹھے وادی

کا نظارہ کر رہے تھے۔ پہاڑوں پر بزرہ نام کی کوئی

جز نہیں تھی۔ درخت بھی نہیں تھے۔ یہ بالکل چھپی

بیمار تھے۔ وادی میں نیچے بھی کوئی بزرہ انھیں اب تک

نظر نہیں کیا تھا۔

"یہ کا پڑھیدھا محل کی چھت پر اترے گا۔ آپ

لوگوں کو ذیپھن کے ذریعے ہی نیچے ان کے کمرے تک رے

جیسا جائے گا۔ انہیں امید کرتا ہوں۔ آپ لوگ قلعہ کوئی

شراثت نہیں کریں گے۔"

"ہم شریر تو یوں بھی نہیں ہیں۔"

پندرہ منٹ کے سفر کے بعد وہ ایک چھت پر اترے۔

ہم دور کریں گے، یہ جانے بغیر کہ کام کیا ہے۔"

"ابھی ہم یہ بھی نہیں کہ سکتے کہ اس کام سے کسی ملک کو

کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے یا نہیں۔"

"آپ کی مرضی۔ آپ نے نہ اپنا تعارف کرایا، نہ

کام بتانے کو تیار ہیں۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے؟"

"اہ! عجیب بات، ضرور ہے، لیکن ہم بھجو ہیں۔"

"اچھا، کم از کم یہ بتا دیں کہ آج کیا دن ادا تاریخ ہے۔"

"تہیں بتا سکتا۔"

"کیا یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ ہم اپنے ملک سے تھے

ناصلے پر ہیں؟"

"بالکل نہیں۔ اس لیے کہ آپ لوگوں کی معلومات بت

نیادہ ہیں۔ ناصلہ بتا دیا تو فوراً جان لیں گے کہ آپ

کس ملک میں ہیں اور یہی ہم بتانا نہیں چاہتے۔ اب

نئی اہم ترین بات۔ ہمارے ملک کا صدر آپ لوگوں

کے ملاقات کرنے کا خواہش مند ہے۔"

"یہ ملاقات کی خواہش پوری کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟"

"یہ ہمارا طریقہ ہے۔ ہم ابھی اور اسی وقت آپ

کو ان کے سامنے رے جا رہے ہیں۔ آپ ان سے کوئی

بات نہیں کریں گے۔ اگر وہ کوئی بات، کریں تو آپ اس

ان کا میزبان انھیں زینے سے نیچے ایک کمرے کی طرف لے گیا، پہلے اس نے تین بار آنکھی سے دلتک دی، پھر بولا:

”جنابِ عالیٰ! یہ لوگ حاضر ہیں۔ آپ ان سے ملنے کے خواہش مند تھے تا۔“

”اوہ ہاں! انھیں اندر لے گوئے اندر سے آواز آئی۔“

میزبان نے دروازے کو دھکیلا اور انھیں لیے اندر داخل ہوا۔ اندر ایک شہنشاہ قسم کا آدمی ایک شاہزادگری پر بیٹھا تھا۔ اس کے لباس میں سونے کی جھالیں ہلکوڑے لے رہی تھیں۔ اس کی انگلیوں میں ہیرودی کی انگوٹھیاں تھیں۔ یہیں چھرے پر فخر اور غردد ہرگز نہیں تھا۔ اس نے ملکرا کر کہا:

”میں اپنے محترم مہماںوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔“

”وہ تو صحیح ہے جناب، یہیں سوال یہ ہے کہ ہمیں یہاں کیوں لایا گیا ہے؟“

”ہمیں! تم نے ابھی تک انھیں بتایا نہیں۔“

”نہیں سر۔ میں اس وقت انھیں بتاؤں گا۔ جب یہ ذہنی طور پر تیار ہو چکے ہوں گے۔“

”تو ابھی یہ تیار نہیں ہیں؟“

”ان کے ذہنوں پر ایک خد سوار ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ

پہلے انھیں بتایا جائے۔ کام کیا ہے؟“

”ذبھی! یہ بات پہلے تو ہرگز نہیں بتائی جا سکتی۔“

پہلے وعدہ کرنا ہو گا۔ پھر کام بتایا جائے گا، لیکن اس وقت میں نے آپ کو اس لیے نہیں بلایا کہ اس موضوع پر بات کروں۔ میں تو آپ لوگوں سے ملاقات کرنے کا خواہش مند تھا۔ آپ لوگ کمال کے ہیں۔“

”کمال کے ہم نہیں جناب، آپ لوگ ہیں۔ جنہوں نے اس قدر ہمارتے، سے ہم لوگوں کو اخوا کرایا۔ ہمیں حرمت اس بات پر ہے کہ جب آپ کے پاس اس قسم کے لوگ ہیں۔ میرا مطلب ہے۔ جو لوگ نہیں اخوا کر کے یہاں تک لے آئے۔ وہ یہ کام کیوں نہیں کر سکتے۔ جو آپ کو درپیش ہے۔“

”بات میں نے ان سے کی تھی، لیکن ان کے پاس اس بات کا بہت معقول جواب ہے۔“

”اور وہ یہاں جواب ہے؟“

”یہ کہ ہم صرف اخوا کے ماہر ہیں۔ ہمیں جس قسم کی مہم درپیش ہے۔ اس قسم کے کاموں کے ہم ماہر نہیں ہیں۔“

”ہوں۔ تو یہ صرف اخوا کے ماہر ہیں۔“

”نہیں جناب! یہ نہیں ہو سکتا۔“ صدر نے انکار میں سر پلا دیا۔

”کیا آپ نے اپنی آواز بھی بدلتی ہوئی ہے؟“
”بالکل۔ اور آپ لوگوں کو بلانے سے پہلے ہم نے اس کی بہت مشق کی ہے۔ بلکہ یہ کہ یہیں کہ ہمیں مشق کرائی گئی ہے۔ آواز بدل کر بولنے کی۔ اور میک آپ بھی بہت بڑے ماہر سے کرایا گیا ہے۔“

”ان سب باتوں کے باوجود ہم یہ جان لیں گے کہ آپ کا تعلق کس ملک سے ہے؟“

”تب پھر آپ بھی ایک بات سن لیں۔ یہ جانتا آپ کے لیے حد درجے خطرناک ہو گا۔“ صدر صاحب کی آواز سرد ہو گئی۔

”جی۔ کیا مطلب۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس صورت میں ہم زندہ نہیں پڑیں گے؟“

”ہاں! اس وقت ہمارا پورا ملک شکل میں ہے۔ اور اگر یہ کام ہو، ہم آپ سے یہاں چاہتے ہیں، خفیہ طور پر نہ کیا گی۔ اور ہمارے دشمن کو معلوم ہو گیا تو ہم بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔“

”ہوں! معاملہ واقعی سنگین ہے۔ خیر۔ اگر ہم نے

”ہاں! اگر کوئی کو بالکل سیدھے طریقے سے اغوا کیا جا سکتا ہے تو بھی اس کے لئے انوکھا اور بہت بیع دار طریقہ اختیار کریں گے۔ جیسا کہ آپ لوگوں کے ساتھ کیا گی؟“

”خیر سیدھے طریقے سے تو ہم فابلو میں نہ آتے۔“
”یہ ٹھیک ہے۔ خیر میں تو بھی آپ کو دیکھنا چاہتا تھا۔“
”آپ، بھی اس وقت میک آپ لے جاؤ ہیں؟“

”ہاں! اگر میں اصل شکل صورت میں آپ لوگوں کے سامنے آتا تو آپ یہ فوراً جان جاتے کہ کس ملک میں ہیں۔“
”خیر۔ یہ تو ہم جان ہی جائیں گے۔“

”نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ آپ لوگوں کو داپس آپ کے ملک پہنچا دیا جائے گا، لیکن آپ یہ نہیں جان سکیں گے۔ کہ آپ سے کام کس ملک کے سربراہ نے لیا ہے۔ اس میں یہی تو سب سے بڑی کوشش کی گئی ہے۔“

”کیوں؟ آپ ظاہر ہونے سے کیوں ڈرتے ہیں؟“
”کام، یہ ایسی نوعیت کا ہے۔“

”ہماری انجمن اس بہت بڑھتی جا رہی ہے۔“
”ہر باری فرمائ کر فوراً بتا دیں۔ وہ کیا کام ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

دیکھا کہ آپ کے ملک کا نام ہمیں معلوم نہیں ہونا چاہیے تو ہم جاننے کی کوشش ہرگز نہیں کریں گے۔ ان پکڑ جو یہ پنے کچھ سوچ کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ اسی میں آپ کی اور ہماری بہتری ہے۔ کانڈر۔ انھیں لے جائیں۔ اتنی ہی ملاقات کافی ہے۔ انھیں یہ بھی بتا دینا کہ ان سے ملک کا اس کام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ زان کے ملک کا کوئی نفع اور نقصان ہے اس کام میں۔ لہذا یہ ہمارے لیے۔ یا اپنی خواتین کے لیے یہ کام کر گزریں۔ اور خاموشی سے اپنے ملک کو لوٹ جائیں۔ اس صورت میں یہ ہمارے ملک کے بہترین تھالف کے حق دار بھی ہوں گے۔ اور ہم ان کے احسان مند بھی ہوں گے۔ یہکہ یہ راز، ہمیشہ راز ہی رہے گا کہ ہم کون ہیں؟"

"اچھا جناب! صحیح ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں، لیکن معاف کیجیے گا۔ جب ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اصل کام کیا ہے تو کیا، ہم اس کام کی نوعیت جاننے کے بعد بھی کوئی اندازہ نہیں لگا سکیں گے؟"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"ایچھی بات ہے۔ یونہی سہی۔"

وہ صدر کے کرنے کے نکل آتے۔ انھیں پھر چھت لایا گی اور پھر اسی واری میں، سیل کا سڑا اُتر گیا۔ کانڈر میں اس مکان میں لے کیا اور بولا:

"اب اگر کچھ کھانا پینا ہے تو کھا لیں۔ ورنہ پھر میں اصل کام کی طرف آتا ہوں۔"

"اصل کام جانتے کے شوق نے ہماری بھوک پیاس اڑا دی ہے۔ آپ کام بتائیں۔ اور میں اپنے ہمیں ہماری عورتیں دکھانی جائیں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

یہ کہ کہ اس نے ایک بیٹھنے کا دبایا، پھر کمرے کی دیوار پر ایک سکرین روشن ہو گئی، تھی وہی کی طرح۔ اور پھر اس پر منظر نظر آنے لگا۔ انھوں نے دیکھا۔ یہکہ ریشمہ ریشمہ راز ہی رہے گا کہ ہم کون ہیں۔

تینوں ایک میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ یہکہ وہ کمرہ ان میں سے کسی کے گھر کا نہیں تھا۔ بلکہ اس

کمرے کو انھوں نے پہنے بھی نہیں دیکھا تھا۔

"آپ کے پالک کیا ثبوت ہے کہ یہ آپ لوگوں کے قبضے میں ہیں؟"

"اگر نہ ہوتیں تو ہم آپ کو اس طرح سکرین پر انھیں

کس طرح دکھ سکتے ہیں؟

"ہوں! اور کیا یہ بھی اسی ملک میں لائی گئی ہیں؟"
"بالکل۔ وہ بولا۔"

"اپنی بات ہے۔ ان کے ساتھ کوئی بُرا سلوک تو نہیں
کیا گیا اب تک؟"
"نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"ایک بات فوٹ کریں۔ اگر ان کے ساتھ بُرا سلوک
کیا گی۔ تو پھر ہم آپ کے ملک کا نام بھی جان کر
دیکھیں گے اور اس کی اینٹ سے اینٹ سے اینٹ بھی بجا دیں گے۔
"ہم جانتے ہیں۔ آپ وگ ایسے ہی ہیں۔"
"تو پھر اب کام بتائیں۔"
"ہماری شرط ابھی جوں کی ٹوں ہے۔ کماںڈر مسکرایا۔
"کیا مطلب؟ اپنکٹر جمیش پونکے۔

"آپ نے ابھی تک دعہ نہیں کیا۔
"کیسا دعہ؟ اپنکٹر جمیش نے جیران ہو کر پوچھا، دیے
وہ سمجھ لگئے تھے۔

"دعہ کر لیں کہ آپ ہمارا کام کریں گے۔ آپ یہ
جاننے کی کوشش نہیں کریں گے کہ ہمارا تعلق کس ملک
سے ہے، اور اگر اتفاق سے آپ کو معلوم ہو جائے تو

پھر بھی آپ یہ بات صرف اور صرف اپنے تک رکھیں گے۔"

"آپ یہ پہانتے ہیں کہ میں کام جاننے سے پہلے دعہ
کروں۔ اپنکٹر جمیش پُر سکون آذان میں بولے۔
"ہاں! کماںڈر نے فوراً کہا۔

"چاہے کام ناجائز ہو۔ اپنکٹر جمیش بولے۔
"ہاں! اس نے پھر کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا، ہم ناجائز کام کی حامی کسی طرح نہیں
خواہ سکتے۔ اپنکٹر جمیش بولے۔

"بالکل! یہی میرا بھی فیصلہ ہے۔ اپنکٹر کامران مرزا نے
کہا کہا۔

کچھ بھی لیں، سوچ لیں۔ آپ کی تین خواتین ہمارے
بننے میں ہیں۔"

"کوئی پرواہ نہیں۔ ہمیں جان دینا آتا ہے۔ اپنکٹر کامران
مرزانے کہا۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ کام ناجائز نہیں ہے:
اس صورت میں ہم کام ضرور کریں گے، لیکن اس طرح
میں، جس طرح آپ چاہتے ہیں۔"
"تو پھر کس طرح؟"

آپ ہماری خواتین کو دکا کر دیں، انھیں باعزت

بے چین ہو کر کما۔

"اچھی تک بی بات پورے ملک میں کسی کو معلوم نہیں کہ صدر صاحب کی بیوی کو اغوا کریا گیا ہے۔ اور نتایجہ اغوا کرنے والوں کو معلوم ہے کہ انھوں نے کس کو اغوا کیا ہے۔"

"یہ مطلب یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟" محمود پونک کر کما۔

"یہ ہو سکتا ہے، صدر صاحب کی بیوی بہت عجیب لبیعت کی ہیں۔ وہ دنیا کے جھیلوں سے دُور رہ کر بہت لوقت رہتی ہیں۔ باکل تنہا جگیں ایسیں بہت پسند ہیں۔ لیکن انھوں نے کئی خفیہ جگیں بنوار کی ہیں۔ بہت دور دراز حنگلوں میں، بزرگ ناروں میں۔ چھوٹے چھوٹے بہت بنوار کھے ہیں۔ جب ان کا دماغ خراب ہوتا ہے تو چُپ چاپ کسی کو بتائے۔ بغیر کاڑی لے کر باکل جاتی ہیں اور ان میں سے کسی ایک جگہ چل جاتی ہیں۔ اور بعض ادقات تو کئی کئی دن واپس نہیں آتیں، پھر صدر صاحب ان کی تلاش میں نکلتے ہیں اور ایسیں لے آتے ہیں۔"

"تو کیا صدر صاحب کو ان جگہوں کے بارے میں علم ہے؟" انھوں نے کہا۔

گھر دیکھ پہنچا دیں۔ ہماری فون پر ان سے بات کرو دیں۔ جب وہ ہمیں بتا دیں گی کہ وہ گھر دی میں خیریت سے میں تو اس وقت ہم آپ کے لیے کام کرنے باکل کھڑے ہوں گے۔ اور آپ انھس گے۔ جائز کام کے لیے، ہم کس طرح جان لڑاتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب میں پسلے کام کی نوعیت بتاؤں گا، پھر صورتِ حال واضح ہو گی۔" کمانڈر نے ہار مان کر کما، لیکن اس کے چہرے پر مایوسی نہیں تھی۔ "شکر یہ؟ شوکی مسکرا یا۔"

"آپ ہمارے صدر سے مل چکے ہیں۔ ان کی بیوی کو اغوا کریا گی ہے۔" "اوہ! ان کے منزے نکلا۔"

"ہم چاہتے ہیں۔ آپ بس ان کی بیوی کو تلاش کر دیں۔" اتنے سے کام کے لیے اتنا گھنٹا پھر رہا۔ اس کے لیے تو آپ ہمیں اعلانیہ طور پر بلا سکتے تھے۔ اور ہم آپ کا یہ کام فوراً کرنے کی حاضری بھر لیتے۔ انپرکھ جمیل نے حیران ہو کر کہا۔

"اچھی آپ نے پوری بات نہیں سنی۔" "پہلے پھر پہلے آپ پوری بات بتائیں۔" فاروق نے

"ہاں ! صرف صدر صاحب کو اور کسی کو نہیں۔"

"بہت خوبی ! تو وہ ان میں سے کسی جگہ پر گئیں اور لوٹ کر نہیں آئیں۔ صدر صاحب نے انھیں ہر جگہ پر دیکھ لیا، لیکن وہ نہیں ملیں۔"

"بالکل یہی بات ہے۔"

"بس اتنی سی بات ہے۔ آپ ہماری ملاقات صدر صاحب سے ایک بار پھر کرائیں۔"

"وہ ابھی تھوڑی دیر تک یہیں آئیں گے۔"

"بہت خوب ! اب آپ ہماری خواتین کو ہمارے گھروں میں پہنچانے کا بندوبست کر دیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم آپ کا یہ کام کرنے کا وعدہ کرتے ہیں اور یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ کسی کو کافی باتان خبر نہیں ہوگی، نہ ہم یہ جانتے کہ کوئی کیونکہ آپ سوچ ہی سکتے ہیں کہ اگر کسی ملک کے صدر کی بیوی کو انداز کر لیا جائے اور یہ ملک سے ہے۔"

"بہت خوب ! اگر آپ نے دعده کر لیا ہے تو پھر ہم آپ کی خواتین کو کیوں قید میں رکھیں گے۔ ہم جانتے ہیں، آپ لوگ جو ایک بار وعدہ کر لیتے ہیں، اسے ہر حال میں پورا کرتے ہیں۔"

"شکریہ ! ڈب بولے۔"

"مردینہ ریکارڈنگز، دن بعد آپ فون پر ان سے بات کر سکیں گے۔"

"شکریہ!"

آدھے گھنٹے بعد صدر والی پہنچ گئے۔ کمانڈر نے انھیں ان کے دعے کے بارے میں بتا دیا۔

"بہت خوب ! مجھے امید تھی۔ آپ یہی وعدہ کریں گے۔ ہم بھی وعدہ کرتے ہیں۔ یعنی ہم ان خواتین کو پورے احترام کے ساتھ ان کے گھرden یک پہنچا دیا جائے گا اور فون پر آپ کی ان سے بات کرنا دی جائے گی۔ آپ بس یہ وعدہ اور کر لیں کہ اگر میرا اور میرے ملک کا کسی طرح آپ کو علم ہو گیا۔ تو آپ یہ راز چھاتائے رکھیں گے، کیونکہ آپ سوچ ہی سکتے ہیں کہ اگر کسی ملک کے صدر کی بیوی کو انداز کر لیا جائے اور یہ بات دُنیا میں بھیل بھی جائے تو پھر وہ صدر اور اس ملک کے لوگ دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔"

"جی ہاں ! ہم یہ بات محسوس کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ ! پھر اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔ آپ کاں سے اپنی تلاش شروع کریں گے؟"

"آپ کو وہ تمام طہرانے ہمیں دکھانے ہوں گے۔
ہم ان سب کا جائزہ لیں گے۔ شاید اخوا کرنے والے
وہاں کوئی سراغ پھوڑ گئے ہوں۔"
"ٹھیک ہے۔"

"ویسے آپ کا کیا خیال ہے اغوا کرنے کے بعد
انھیں آپ کے ملک میں ہی رکھا گیا ہے یا انپکٹر کامران
مرزا نے پوچھا۔
"جہاں تک میرا خیال ہے۔ وہ ملک میں نہیں ہیں۔
کمانڈر نے کہا۔

"اہ! ہماری خفیہ تحقیقات یہی کہتی ہیں۔ صدر بولے۔
ابھی تک ہمیں کمانڈر صاحب کا نام تک معلوم نہیں۔
"ہم اپنے اصل نام تو بتانیں سکتے۔ آپ فرضی نام
سے گزارا کر لیں۔ کمانڈر شوزا کر دیا کریں۔
"کھنے کو تو ہم کمانڈر چوزا بھی کر سکتے ہیں۔ فاروق بولا۔
"چوزا۔ وہ کیا ہوتا ہے؟
"بڑے مزے کی چیز۔ خیر چھوڑیں۔ کام کی بات
جاری رکھیں۔ اس نے گھبرا کر کہا، یکونکہ ان کا منہ
ان گیا تھا۔

"آپ نکر رکریں۔ ہم یہ کام کر دالیں گے۔ بشرطیک
وہ زندہ ہوئیں۔ دوسری صورت میں ہم ان کی لاش پیش

جانا پڑے گا۔

"ضرد جائیں۔ آپ کو ہم اپنے ملک سے باہر کیسی
چھوڑ دیں گے۔ آپ وہاں سے اپنی تحقیقات شروع
کر سکتے ہیں۔"

"یکن واپسی کی کیا صورت ہو گی؟

"صدر صاحب کی منزل جائیں۔ تو آپ انھیں اپنے
ملک لے جائیں۔ ہم خود ہی آپ سے انھیں حاصل
کر لیں گے۔"

"چیلے ٹھیک ہے۔"

"یکن ایک بات کا خیال رہے۔ ہم آپ کے دعے
پور جھروسا کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے وہدہ خلاني کی تو
ہم پھر آپ لوگوں کو اغوا کر لیں گے۔ یہ کام ہمارے
لیے بائیں لمحہ کا ہے۔ اغوا کے جو ماہر آپ کو یہاں
لیں گے۔ پھر دنیا میں نہیں ملیں گے۔ کمانڈر شوزا نے
خزر کے انداز میں کہا۔ انپکٹر جمیش نے سمجھا کہ۔ کہ صدر
نے اس کی اس بات کو پسند نہیں کیا، یکونکہ ان کا منہ
ان گیا تھا۔

"آپ نکر رکریں۔ ہم یہ کام کر دالیں گے۔ بشرطیک
وہ زندہ ہوئیں۔ دوسری صورت میں ہم ان کی لاش پیش

بائیں کی توہم آپ کے لیے کام شروع کریں گے۔
”سُنْ یا تم نے کمانڈر“ صدر بولے۔
”بس سر۔ میں ابھی یہ کام شروع کر دیتا ہوں۔“ کمانڈر
نے کہا۔

دونوں والوں سے ہیلی کاپٹر پر رخصت ہو گئے۔
”کیا آپ کوئی اندازہ لگا پاتے ہیں آبا جان؟“
ظاہر نہ سوال ملے بہت سیدھا سادا ہے، لیکن چند
ایک بائیں عجیب ہیں۔ ایک تو یہی کہ جس کا میں نے
ابھی ذکر کیا ہے کہ ان لوگوں کو ان غوا کے اتنے ماہر
لوگوں کی کیا ضرورت پیش آتی ہے، یعنی ان ممبریں کو
دکھنا بھی تو آسان کام نہیں ہے۔ انھیں بڑی بڑی تحریکیں
دینا پڑتی ہوں گی۔“

”ہوں۔ اور دوسری بات؟“
”انھیں کس طرح یقین ہے کہ ان غوا کے بعد اس خاتون
کو ملک میں نہیں لے کھا گیا؟“
”ان لوگوں سے خفیہ طور پر پورے ملک میں تلاش کیا
ہو گا۔“ افتاب نے کہا۔

”ہاں! اور دوسرے یہ کہ ملک کے لوگ تو آفر اپنی
ملکہ کو پہانتے ہوں گے۔ ان غوا کرنے والے اگر انھیں

کر دیں گے، لیکن اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ لاش
صحیح سلامت ہوئی۔ اب اگر کوئی سمندر میں ڈوب جائے
تو اس کی لاش کو توہم برآمد نہیں کر سکتے۔“
”نہیں نہیں۔ میرا دل کہتا ہے۔ وہ بالکل زندہ سلطت
ہے۔“ صدر نے گھبرا کر کہا۔

”میں نے تو شال کے طور پر ایک بات کہی ہے
خاب۔“ ایکٹر جمیش بولے۔

”ہاں! ٹھیک ہے۔“
”آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں گے۔“ ایکٹر جمیش
نے ان دونوں کی طرف بخوبی دیکھتے ہوئے کہا۔
”فرمائیے۔“

”آپ نے اس قدر ماہر ان غوا کرنے والے کیوں جمع
کر رکھے ہیں؟“

”ادہ۔ وہ۔ سیاست میں ہر قسم کا کام پڑ سکتا ہے۔“
کمانڈر نے گھبرا کر کہا۔

”میں آپ کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔“
”لیکن بات ہے یہی۔“ صدر صاحب مسکاتے۔

”خیر۔ کوئی بات نہیں۔“ اب آپ اپنے استعلامات
میں مصروف ہو جائیں۔ جب ہماری عورتیں گھروں میں پہنچ

ملک میں رکھنے تو کسی نہ کسی کی نظر تو پڑھ بھی سکتی تھی۔
شاید انھی بنیادوں پر وہ یہ کہتے ہیں کہ انھیں ملک میں
نہیں رکھ لیا گیا۔

"سوال یہ ہے کہ پوری دنیا میں ایک عورت کو آخر
ہم کس طرح تلاش کر سکیں گے۔ کیا یہ کام آسان ہو گا؟"
فائزق نے پریشان آواز میں کہا۔

"ہم دعده کر پکے ہیں۔ جیسے بھی ہو۔ کام کرنا پڑے
گا۔ محمود نے کہا۔

"وہ دن انھوں نے وادی میں گھومتے پھرتے اور کھاتے
پینتے گزار دیا۔ دوسرا دن کمانڈر بیلی کاپڑ پر وادی میں
آیا اور فون کا ایک بیٹھ بھی ساتھ لایا۔ اس کے ذریعے انھوں
نے اپنے گھروں سے رابطہ قائم کیے۔ اور بیگلات نے بتایا کہ
وہ بالکل تحریت سے واپس پہنچا دی گئی ہیں۔ شوکی کی والدہ
اور کریم نواران کو بھی واپس بھیج دیا گیا تھا۔

ان کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد کمانڈر
نے ان سے کہا:

"اب آپ، صدر صاحب، کے ساتھ ان خفیہ جگہوں کا معائنہ
کرنے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

انھیں یہی کاپڑ پر صدر کے محل تک لا یا گیا۔ وہاں
سے صرف صدر ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہی کاپڑ
صدر خود اڑا رہے تھے۔

"آپ میری ایک الجھن دور کر سکتے ہیں جا ب۔"
ایسے میں شوکی کی آواز اُبھری۔

"ہاں! کہیے۔ کیا بات ہے؟"

"آخر ہم آپ کی بیکم کو پہچانیں گے کس طرح؟"
اوہ! ان سب کے منہ سے نکلا۔

خیہ

یہ حذلے تک خاتوشی طاری رہی، صرف نیسلی کا پڑکی
اواد سنائی دیتی رہی، پھر صدر بولے:
”میری بیوی لوگوں کے سامنے بے پردہ نہیں آتی
رہی۔ اس لیے ملک کے لوگوں نے تو آج تک اسے
دیکھا نہیں۔ لہذا آپ لوگوں نے بھی بھی ان کی تصویر
اخبارات میں نہیں دیکھی ہوگی۔ اس لیے اگر میں آپ
کو ان کی تصویر دے دوں گا تو بھی آپ یہ نہیں جان
سکیں گے کہ وہ کس کی ملکہ ہیں؟“
”لیکن اس طرح ہمیں ایک اور راستا مل جاتا ہے۔
انسپکٹر جمیڈ مکارئے۔“

”اور وہ کیا؟“

”ہم یہ معلومات حاصل کر سکتے ہیں کہ دنیا میں کس
کس ملک کے سربراہ کی بیوی بے پردہ عوام کے سامنے

”ایے کئی مالک ہوں گے۔ آپ کو ان میں سے
بھی تو ایک ملک کے بارے میں پتا چلانا پڑے گا۔“
صدر نے مسکرا کر کہا اور پھر چونک کر بولے:
”لیکن ہمارے درمیان تو معاملہ ہو چکا ہے۔ کہ
آپ لوگ یہ جانتے کی کوئی کوشش نہیں کریں گے کہ ان کا
عقلنکس ملک سے ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ آپ، ہمیں ان کی تصویر دے دیں۔“
”پہلے آپ ان کے خفیہ ہٹ دیکھ لیں، پھر میں تصویر
بھی آپ کے حوالے کر دوں گا۔“
”یا کمانڈر صاحب نے بھی انھیں کبھی نہیں دیکھا؟“
انسپکٹر جمیڈ نے پوچھا۔

”نہیں۔ پورے ملک میں میرے علاوہ کسی نے انھیں
نہیں دیکھا۔ ملک کے افراد اور دوسرے عورتیں انھیں
پہچانتی ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے۔ ملک بھر کی عورتیں۔“
”نہیں۔ صرف گھر کی عورتیں۔“

اسی وقت ہیلی کاپڑ نیچے اترنے لگا۔
”ایک اور سوال جواب۔ جن لوگوں نے یہ ہٹ

میں داخل ہو گئے۔ یہ دو کردوں کا خوب صورت ہٹ تھا۔ اس میں ضرورت کی بھی چیزیں تھیں۔ اور یہ واقعی پُر سکون جگہ کہی جا سکتی تھی، یکونکہ اس کے چاروں طرف بہترین بیزہ زار تھا، پھولوں کے پودے تھے۔ اونچے اونچے درخت تھے۔ اور ساتھ میں ایک نہر بھی ہے رہی تھی۔ بیزہ زار میں رنگ، برلنگے پرندے چمک رہے تھے۔ اُڑتے پھر رہے تھے۔ ان کا جی پاہنچنے لگا۔ وہ بھی بیساں ایک۔ اُسد دن ضرور گزاریں، لیکن ان کے سامنے تو ایک مسئلہ موجود تھا۔ صدر کی بیوی کی تلاش کا مسئلہ۔

اخنوں نے دنوں کردوں کا بغور جائزہ لیا اور پھر ان پر حکیم نے فصلہ دیا:

”کہن کم انھیں اس ہٹ سے تو اغوانیں کیا گیا۔“
”تو پھر دوسرے کی طرف چلتے ہیں۔“
”لیا ذہ آپ کہ بتا کر نہیں آتی تھیں؟“
”کبھی بتا کر آئیں اور کبھی نہیں بھی بتاتی تھیں۔“
”اصل وہ کچھ نفیاتی سریضہ بھی ہیں۔“

”میں اچھا۔“

”دوسرہ ہٹ پہلے سے کیس خوب صورت تھا۔ یہ

بنایا، ہو گا۔“ دہ بھی تو اس جگہ سے واقف، میں گئے۔ فرزانہ بول اٹھی۔

”اوہ! صدر کے منزہ سے نکلا۔“ پھر لمحے تک صدر بالکل خاموش رہے، آخر انھوں نے کہا:

”جن لوگوں نے یہ ہٹ بنائے تھے۔ انھیں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ کس مقصد کے لیے بنائے جا رہے ہیں۔“ انھیں یہ بتایا گی تھا کہ صدر صاحب کی بیوی کی بیوی بنائے جا رہے ہیں۔ یہ عامِ نژام میں غیر سرکاری آدمی کے ذریعے بنائے گئے تھے۔ اور سب ہٹ الگ الگ پارلی نے بنائے تھے۔ یہ بات بھی نہیں کہ سب ہٹ ایک ہی کمپنی نے بنائے ہوں۔ لہذا ان ہٹوں کے بارے میں تو بنانے والوں کو گمان بھی نہیں ہو گا کہ یہ خفیہ ہٹ ہیں۔ یا یہ کس مقصد کے لیے ہیں۔“

”ہوں صحیک ہے۔“ ”ویسے آپ لوگ واقعی بہت ذہین ہیں۔“ صدر نے مسکرا کر کہا۔

”وہ بیسی کا پڑ سے اُترے اور تالا بھول کر ہٹ

کاٹے اور بھر اپنکر رحیم نے سیدھے ہوتے ہونے کا:
”یہیں اسی بھر کوں نہیں ہے لیا کہ ملکہ صاحبہ کو
ای ہٹ سے اخوا کیا گیا ہے:

”وہ کیسے - ہم نے بھی اس کرے کا جائزہ لیا تھا،
یہا مطلب ہے - میں نے اور کانٹر نے - یہیں تو یہاں
ای کوئی بات محسوس نہیں ہوئی۔

”یہ دیکھیے - یہاں خون کا ایک حصہ موجود ہے۔
قالین سرخ ہونے کی وجہ سے آپ کو محسوس نہیں ہوا،
وسری بات - ملکہ صاحبہ نے اخوا کی کوشش کو ناکام بنانے
کی کوشش کی تھی:

”یہ - آپ کیسے کہ سکتے ہیں؟ صدر نے پُر جوش
غماز بدل کرنا۔

”اس طرح کر بندیں ٹیڑھا بچا ہوا ہے۔ ہم
کے تمام ہٹ دیکھے ہیں - نہام کے تاریخ میں حدود بچے
لیکے نظر آیا ہے کس کوئی لیے ترتیبی نظر نہیں آئی،
بھر یہ قالین ٹیڑھا بکھر ہے - اس پر گرد کیوں ہے؟
پلکر رحیم نے جلدی جلدی کہا۔

”آپ اس کی کیا وضاحت کرتے ہیں؟

”ملکہ صاحبہ نے خود کو ان سے بچانے کی کوشش

دو پسداروں کے دریان واقع تھا، لیکن اس میں بھی اخوا
کے آثار نظر نہ آتے۔

آنگرچو تھے ہٹ نے انھیں اپنی طرف متوجہ کر لیا،
اٹھت اول اٹھا:

”انھیں یہاں سے اخوا کیا گیا ہے؟

”ادہ اب بابت، آپ، یعنی سے کلکا طرح کر سکتے ہیں
”ابھی بتاتے ہیں - ہم پہلے اپنا جائزہ مکمل کر لیں۔
انپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

انھوں نے دیکھا - یہ بھی دو کمردیں کا ہٹ تھا،
یہ بزرے کے اوپرے نیچے ٹیلوں کے دریان بنایا گیا
تھا - پورا ہٹ لکڑی سے تیار کیا گیا تھا - اس میں
اینٹ اور پتھر کا استعمال بالکل نہیں کیا گیا تھا - دونوں
کمردیں کے فرش پر قسمی قالین بچے تھے - ایک قالین
قدر کے ٹرھا بچا ہوا تھا - اس پر ایک جگہ گرد کے
نشانات بھی تھے - جبکہ کوئی نہام کے قالین بالکل
ٹھیک بچا ہوا تھا - اور اس پر گرد کے نشانات بھی
نہیں تھے - قالین سرخ زنگ کا تھا - انھوں نے اس
کا عدد سے کی مدد سے جائزہ یا۔

”اس جائزے میں انھوں نے صرف پانچ منٹ

کے چڑیاں تھیں، لیکن اب پانچ ہیں۔ ملک نے انھیں
ت شوق سے خریدا تھا۔

پنجھ بھی بند ہے۔ چڑیا خود بخود تو نکل نہیں سکتی،
ما معلوم ہوتا ہے؛ جیسے یہ حرکت بھی اخوا کرنے والوں
ہے۔ انھوں نے بتانے کے لیے ایک چڑیا باہر
ال دی کہ وہ ملکہ کو یہاں سے لے جا رہے ہیں۔
”اہ! اکر بے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔ چڑیا کو آزاد
رنے کی اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔“

انپکٹر جمیڈ نے قالین پرے وہ طنکڑا کاٹ لیا،
مال خون گرا تھا۔ اور پھر اسے ایک کاغذ میں پیٹ
ل بیٹھے۔ ایک بار پھر انھیں وادی میں لایا گیا۔ یہاں
لگدر ان کا انتظار کر رہا تھا۔

”وہ بست انھوں نے تلاش کر لیا ہے، جس سے
جن اخوا کیا گیا ہے۔“

اوہ! اس کے مذکور نہیں۔

”اور اب آپ ہمیں ان کی تصویر دے دیں۔“

”ضرور کیوں نہیں۔ اگرچہ یہ میرے اصول کے خلاف
ہے۔ میری بیوی کو میرے گھر کے افراد کے سوا کسی

کی، اس سلسلے میں وہ معمولی سی زخمی ہوئیں۔ ان کے
خون کا قطرہ یہاں قالین پر گر گیا۔ دوسرے یہ کو
دھینگا مشتی سے قالین بے ترتیب ہو گیا۔ اغوا کرنے
والوں نے ان پر قابو پانے کے بعد قالین سیدھا کر دیا،
لیکن جلدی میں ٹیڑھا پن دُور شکر کے۔
”ایک منٹ اباجان۔ انھیں کیا جلدی تھی؟“ محمود
نے فوراً کہا۔

”اہ! اچھا اعتراض ہے۔ لیکن ہر مجرم کو کسی حد
تک جلدی ضرور ہوتی ہے۔ چاہے اس کے پاس کتنا
بھی وقت ہو، وہ جلدی ضرور کرتا ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ آگے کیجئے۔ صدر بے تابانہ بولے۔
”بس۔ پھر وہ انھیں لے گئے۔“

یہ کر انھوں نے اپنی جیب سے تنہی سی قلنچی
لکالی اور قالین پر جک گئے۔

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”خون کا بہ دھنہ محفوظ کر رہا ہوں۔ انپکٹر جمیڈ مکارتے۔“

”ادھو۔ یہ ایک چڑیا کہاں گئی؟“

”گ۔ کون سی چڑیا؟“

”یہ جو پنجھہ لٹک رہا ہے۔ اس طرف۔ اس میں

نہ تیر، دیکھا، یہیں آج یہیں مجبوراً یہ تصور آپ لوگوں کو دے رہے ہوں۔

”ہاں۔ باقی دونوں راستے شر کی طفت آتے ہیں۔
یکیں وہ شر کی طرف نہیں لائیں گیں۔ اغوا کرنے والے اتنی جرات کے مالک ہو ہی نہیں سکتے۔ انھیں تو ملک سے باہر لے جایا گیا ہے۔“

”کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ہم انھیں ملک سے باہر تلاش کرتے رہیں اور وہ ملک میں ہی ہوں۔“ شوکی نے پریشان کے عالم میں کہا۔

”میں نے اس کی بھی ترکیب سوچ لی ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا سکرائے۔

”اور وہ کیا؟“

”ایک پارٹی اس ملک میں تلاش کرے گی۔ دوسری پارٹی ملک سے باہر۔“

”جی نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔“ صدر فوراً بوئے۔

”کیا مطلب؟“ کیوں نہیں ہو سکتا؟“

”ہو اس لیے نہیں سکتا کہ ہم تو آپ پر یہ ظاہر ہی نہیں ہونے دینا چاہتے کہ یہ کون سا ملک ہے۔“

”اوہ! ان کے منہ سے نکلا۔“

”لہذا آپ لوگوں کو ملک سے باہر ہی تلاش کرنا ہو گا۔ نو فی صد امکان اس بات کا ہے کہ وہ سمندر کے

”یوں بھی اب انھیں اغوا کر دیا گیا ہے۔ دوسرے لوگوں نے انھیں دیکھ دیا ہو گا۔“

”ہاں! افسوس۔“ وہ بوئے۔

”اس بیٹ سے وہ کس کس سمتی میں ملک سے باہر ہو سکتی ہیں؟“

”بیٹ کے دائیں طرف سمندر ہے۔ سمندر میں لاپچیں ذیغیہ ہوتی ہیں۔ اس طرف سے انھیں آسانی کےے جایا جا سکتا ہے۔“

”کیوں؟ کیا اس طرف آپ نے حفاظتی انتظامات نہیں کر رکھے؟“

”فوج کا ایک پورا دستہ اس طرف ہوتا ہے۔ اسی بات پر توجیہت ہے۔ وہ کس طرح اس طرف سے لے گئے ہوں گے۔ دوسراراستا بائیں طرف کا تھا۔ اس طرف جنگل ہی جنگل ہے۔ اور اس جنگل کے ختم ہونے پر انھیں پہاڑ ہیں۔ عمودی پہاڑ۔ اس طرف سے بھی انھیں نہیں لے جایا جا سکتا۔“

”تب پھر تیسرا راستا تو شہر کی طرف آتا ہو گا۔“

"یہ کیا بات ہوئی۔ ہم سمندر میں سفر کس طرح کر سکیں گے؟" انپکٹر جمیڈ بولے۔

"اس جگہ۔ ایک لائچ موجود ہو گی۔ ایک چھوٹا سا عزیز ہے۔ وہاں۔ اس جزوے سے بندھی لائچ تیار لے گی۔ آپ لوگ اس لائچ کے ذریعے سفر کریں گے۔" "یہیں سے ہمیں لائچ دینے میں کیا حرج ہے؟" انپکٹر کامران مزانے مذ بنا یا۔

"حرج ہے۔ بہت بڑا حرج ہے۔ آپ لوگ بھی اس حرج کو سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی بن رہے ہیں۔" کامنڈر نے بحث کر کہا۔

"اوہ۔ اچھا! شوکی کے لجھے میں حرمت تھی۔"

"اچھا! یہاں سے روانہ ہو کر تو آپ فاصلے کا حاب لگا سکتے ہیں، یہیں جب ہم آپ لوگوں کو سمندر میں چھوڑ دیں گے تو آپ یہ نہیں جان سکیں گے کہ آپ اس ملک سے کس سمت میں ہیں اور کتنے فاصلے پر۔"

"بہت خوب! آپ لوگ بہت چالاک ہیں۔ خیر، ہم وعدہ کر چکے ہیں۔ اس لیے آپ لوگوں کی ہر بات مانیں گے۔" انپکٹر جمیڈ نے کہا۔

اور پھر صدر نے انھیں ایک بڑے سائز کی تصویر

راستے لے جاتی گئی ہیں، یکونکہ آسان راستا یہی ہے۔ باقی رہا، فوج کے دستے کا معاملہ۔ ہم نے انھیں اٹاٹا لٹکایا تھا۔ اور انھوں نے یہ بات اُنگلی ہے کہ اس طرف سے کچھ لوگ انھیں رشوت دے کر فرار ہوئے ہیں۔ یہیں انھوں نے ان سب کو دیکھا بھالا نہیں تھا۔ بلکہ ان کے لیڈر نے معاملہ طے کیا تھا۔ باقی لوگ ایک طرف رہے تھے۔

"تو یوں کیسے نا۔ کہ آپ کو اطلاع ہے۔ انھیں ملک سے باہر ری لے جایا گیا ہے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"کیا آپ، ہمیں ان فوجیوں سے ملنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔" صدر بولے۔

"اچھی بات ہے۔ کیا آپ، ہمیں ایک لائچ دے سکتے ہیں۔ ہم سمندر میں اسی سمت میں سفر کرنا پسند کریں گے، جس سمت میں انھیں لے جایا گیا ہے۔"

"لائچ بھی نہیں دی جائے گی۔ البتہ آپ کو، میں کاپڑ کے ذریعے سمندر میں اتار دیا جائے گا۔ وہاں سے آپ آگے خود سفر کریں گے۔"

کہتی ہیں، اس نازک اور خوب صورت پھول نے تمہارا
بی بگاڑا تھا۔ یہ شاخ پر جھوم رہا تھا، کتنا پیارا
لگ رہا تھا، لیکن اب یہ جلد مر جانا جائے گا۔ اگر
کہا جائے کہ مر جانا تو اسے شاخ پر بھی تھا تو جواب
ملتا ہے۔ وہ تو یہ اپنے وقت پر مر جاتا۔ تم نے تو
اسے وقت سے پہلے ہی مر جانے پر بجھوڑ کر دیا۔
”ہم بھجنے۔ ملکہ صاحبہ بہت حساس ہیں۔“
”ہاں؟ وہ لوئے۔“

”ٹھیک ہے۔ اب آپ اپنے پروگرام کے مطابق ہمیں
سمندر میں پھوڑ دیں۔“
”شکریہ۔ ہم نے آپ لوگوں کو بہت تکلیف دی۔
ایک بالکل غلط طریقہ اختیار کیا، لیکن یہ ہماری بہت
بڑی بجھوڑی ہے۔ اگر یہ راز دُنیا کے ملکوں پر کھل جاتا
ہے تو ہماری کتنی ذلت ہوگی۔ اس کا اندازہ شاید آپ بھی
لگا سکتے ہیں۔“

”جی ہاں؟ بہت پہلے لگا چکے ہیں۔“
آغز اخیں ہیلی کا پیڑ پر سوار کیا گیا اور سمندر کی طرف
لے جایا گیا۔ یہ کام بھی کمائڈ کے ذمے تھا۔ دو گھنٹے
کے سفر کے بعد اخیں ایک جزیرے پر اتار دیا گیا۔

”اس سے پہلے کمائڈ کو ایک طفت کر دیا گیا۔ انہوں
نے تصویر دیکھی۔ وہ ایک خوب صورت نوجوان عورت کی
تصویر تھی۔ اس کے بال بالکل سمری تھے۔ آنکھیں نیل
تھیں۔ چہرے پر ایک غمگین مسکراہٹ تھی۔
”کیا یہ اکثر غمگین رہتی ہیں؟“
”ہاں؟ بہت زیادہ غمگین۔ یوں کہیں کہ یہ اپنی زندگی
سے خوش نہیں ہیں۔ مخلوقوں میں رہ کر جھونپڑیوں کے خواب
دیکھتی ہیں۔“

”جی۔ کیا مطلب؟“
”اکثر کہتی ہیں۔ مجھے یہ محل اپھے نہیں لگتے۔ میں
تو غربت کی زندگی پسند کرتی ہوں۔ جہاں دوسروں کا
دکھ درد تو انسان محسوس کر سکتا ہے۔ مخلوقوں کی ان اپنی
دیواروں کے اس طرف غریبوں کی آہیں اور سکیاں نہیں
پہنچ پاتیں۔“

”مطلب یہ کہ وہ غربت پسند ہیں۔“
”ہاں؟ صدر نے کہا۔“
”ان کی کوئی اور خاص عادت؟“
”پھولوں کو تڑنا اخیں بالکل پسند نہیں۔ کوئی ان کے
سامنے پھول توڑ ڈالے۔ اس پر برس پڑتی ہیں۔“

اپنا کوئی اندازہ بتا سکتے نہیں۔ ہم ان کی تلاش میں کس طرف جائیں۔

”اگر ہمیں ذرا بھی یہ معلوم ہوتا کہ وہ کہاں ہو سکتی ہیں۔ تو آپ لوگوں کو ذرا بھی تکلیف نہ دیتے۔“ کمانڈر شوزا نے کہا۔

”آپ اپنا اصل نام ہی بتا دیں۔“ محمود جلدی سے بولا۔

”سوری! آپ مجھ سے یہ امید ہرگز نہ رکھیں۔“

”اچھا تو آپ جا سکتے ہیں۔ کم از کم، ہم آپ سے یہ امید تو رکھیں گے۔“

”لکھ۔ کون سی امید؟“

”جانے کی۔“ فاروق مسکرا یا۔

”وہ تو خیر مجھے جانا ہو گا۔“ اس نے بھی مسکرا کر کہا اور پھر وہ، سیلی کا پیٹر پر بیٹھ کر چلا گیا۔ جب تک، سیلی کا پیٹر نظر آتا رہا۔ وہ اس کی طرف الوداعی انداز میں ہاتھوں کو ہلاکھے رہے۔ اور وہ بھی جواب میں ہاتھہ ہلاتا رہا، آخر وہ نظر وہ نظر دل سے او جعل ہو گیا۔

”یہ کیسی بھی عجیب کیس ہے۔ ہم اتنا تو جانتے ہیں کہ اس وقت سمندر میں ہیں، لیکن یہ نہیں جانتے کہ اپنے ملک سے کس سمت میں اور کتنے فاصلے پر۔“

جزیرے کے کنارے واقعی ایک لاپچ بندھی تھی۔

”اس میں زائد پڑوں بھی موجود ہے۔ آپ اس پر بہت لما سفر کر سکتے ہیں۔ یہ ڈوبنے سے بھی بالکل محفوظ ہے، یکونکہ یہ آب دوز بھی ہے۔ آب دوز تو پہلے ہی پانی میں ہوتی ہے۔ ڈوبنے لگی کیا۔ ہاں، کوئی تار پیڑوں سے اڑا دے تو دوسرا بات ہے۔“

”اللہ نہ کرے۔“ اشFAQ نے فرما کر
”میں تو ایک بات کہ رہا ہوں۔“

”ہم نے آپ کی بات کا بُرا نہیں مانا۔“ افتاب مسکرا یا۔
”مطلوب یہ کہ اب ہم آزاد ہیں، اس سمندر میں جس طرف چاہیں جا سکتے ہیں۔“

”ہاں! لیکن ایک بات کا خیال رہے۔ اور وہ یہ کہ اس جزیرے کے ذریعے ہمارے وطن کی تلاش کی کوشش نہ کیجیے گا۔ آپ بھلک جائیں گے اور بلا وجہ وقت ضائع کریں گے۔ آپ نکے لیے بہترین طریقہ یہ ہو گا کہ آپ ملکہ کو تلاش کر لینے کے بعد سیدھے اپنے گھر چلے جائیں۔ ہم وہاں سے خود انھیں وصول کر لیں گے۔“ کمانڈر نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ ویسے کیا آپ

یہاں پھینک گئی۔ خان رحمن نے خیال ظاہر کیا۔
”ہم سب کو مل کر یہ بات سوچنا ہو گی۔ کہ یہ مچھلیاں
یہاں کیوں پڑی ہیں۔ انپکٹر جمیش نے اعلان کرنے کے انداز
میں کہا۔

”لیس جمیش۔ یہ کیا بات ہوتی۔ کیا یہ کوئی خاص بات
ہے۔ پروفیسر داؤڈ بولے۔

”پتا نہیں پروفیسر صاحب۔ لیکن مجھے یہ بات عجیب
ضرور لگ رہی ہے۔ اس جزیرے پر کوئی آبادی نہیں۔
میرا مطلب ہے، پرندے بھی نہیں، کوئی جانور بھی نہیں؛
کیڑے بھی نہیں۔ پھر مچھلیاں کنارے پر کیوں ہیں۔ اگر لہر
کی بات سوچی جائے تو بھی بات حلق سے نہیں اترتی۔
”جی۔ کیا مطلب۔ کیوں نہیں اترتی۔ میرے حلق سے
تو یہ بات کب کی اتر چکی ہے؟ فاروق نے حیرت زدہ
انداز میں کہا۔

”تمہارے حلق کی کیا بات ہے۔ مطلب کی ہر بات
فرو اتر جاتی ہے۔ آفتاب نے جل کر کہا۔

”ایک منٹ۔ پہنچ مچھلی یہ بات ہو جائے۔ میں یہ
کتنا چاہتا ہوں کہ یہ بالکل تازہ مچھلیاں ہیں۔ ایک دو دن
کی بھی نہیں ہیں۔ یہ آج ہی کنارے پر آئی ہیں۔ لیکن

”بہت جلد ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا۔ پہلے ہم اس
جزیرے کا جائزہ لیں گے۔ اور پھر لاپچ پر سوار ہوں گے۔
انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”لیکن انکل۔ جزیرے کا جائزہ کیوں لیں ہم؟ محدود
نے کہا۔

”آخر وہ ہمیں اس جزیرے پر ہی کیوں چھوڑ گئے
ہیں۔ انہوں نے کہا۔

”اوہ ہاں! واقعی۔ شوکی نے چونک کر کہا۔
”وہ جزیرے پر گھومنے پھرنے لگے۔ اس پر گھوٹ کے
بہت سے درخت تھے۔ گھاس وغیرہ اگلی ہوتی تھی
پکھ جھاڑیاں بھی تھیں۔ البتہ پرندے نہیں تھے۔ کیڑے
وغیرہ بھی نظر نہ آئے۔ کنارے پر کچھ مردہ مچھلیاں ضرور
پڑی تھیں۔

”ان مردہ مچھلیوں کی موجودگی بمحض میں نہیں آئی۔ فرزاد
نے بڑھانے کے انداز میں کہا۔

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ انپکٹر جمیش بولے۔

”سوچنے پر کوئی پابندی نہیں۔ شوق سے آپ سوچ
سکتے ہیں۔

”یہ بے چاری سمندر میں گئی ہوں گی۔ توں ہر نیک

"بس میں سمجھ گئی۔ فرزان نے خوش ہو کر کہا۔
"حیرت ہے۔ تم پہلے ہی سمجھ سے چکلی بخوا لیتی۔ فاروق
نے بوکھلا کر کہا۔

دوسرے بے ساختہ مسکرا دیے، پھر انپکٹر جمیڈ بولے:
"اہ! فرزان! تم کیا سمجھ گئی۔ جلدی بتاؤ۔"
"یہ چھلیاں یہاں خود نہیں آئیں۔ گرانی گئی ہیں۔"
"بہت خوب۔ ضرور یہی بات ہے، لیکن..." انپکٹر کامران
مرزا نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن۔ یہ لیکن کہاں سے ڈپک پڑا۔ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔
"اب، ہمیں اس بات پر بھی تو غور کرنا پڑے گا کہ ایسا
کس لیے کیا گیا۔ یہ چھلیاں یہاں کیوں ڈالی گئیں؟"
"تاکہ ہم اسے اصلی جزیرے خیال کریں گے۔" پروفیر
داود بل لے۔

"جی۔ کیا فرمایا؟"
"بھی یہ نقلی جزیرہ ہے۔"
"ہائیں۔ نقلی جزیرہ۔ اب جزیرے بھی نقلی ہونے لگے،
صد ہو گئی۔ اصلی چیز نہ کیا جائے گی۔ فاروق نے بوکھلانے
ہوتے انداز میں کہا۔

"ہمیں یہ خیال دلانے کے لیے کہ یہ جزیرہ اصلی ہے،

ہم دیکھ رہے ہیں۔ جس جگہ یہ گرجی بڑی ہیں۔ وہاں ریت
بالکل خلک ہے۔ جب کہ گیلی ہوئی چاہیے۔ اگر لریہاں
تک آئی تھی۔ تو پھر ریت گیلی ہوئی چاہیے۔"

"اوہ! اُن سب کے منڈ سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہ تو مندہ شرضا ہو گیا۔ انپکٹر کامران مرزا بڑا بڑا۔

"تب پھر پہلے ہم اس کو سیدھا کریں گے، پھر آگے جائیں
گے۔ شوکی نے کہا۔

"بالکل صحیک۔ میں بھی یہی کہتا ہوں۔ انپکٹر جمیڈ بولے۔

"وہ سوچ میں ڈوب گئے، پھر انھوں نے جزیرے کو بھی
ایک بار پھر غور سے دیکھا، کوئی بات سمجھ میں نہ آگئی۔ آخر
وہ تعکٹ گئے اور چلنے کی تیاری کرنے لگے۔ چھلیاں ابھی تک
ان کے ذہنوں میں چھپ رہی تھیں۔

"کمال ہے۔ یہ پھوٹی سی بات، ہماری سمجھ میں نہیں ہے
لیکن۔ جب کہ ہم بڑی بڑی باتیں چکلی بجا تے سمجھ جاتے ہیں۔"
فرزان بڑا بڑا۔

"لیکن اس معاملے میں ہم نے چکلی کب بجا تے ہے۔"
فرحت مسکرانی۔

"چکلی کا کیا ہے۔ لو ابھی بجا دیتے ہیں۔" فاروق نے
کہا اور چکلی بجا دی۔

اُسی لیے تو اس کے کنارے پر مچھلیاں پڑی ہیں۔ انہوں نے مچھلیاں خود ڈال دیں۔ حالانکہ یہی چیز ہمیں یہ سمجھا گئی کہ جزیرہ نقلی ہے۔ معاملہ اُنٹ ہو گی؟

"ہوں! سوال یہ ہے کہ یہ جزیرہ نقی کیوں ہے؟"

"تاکہ ہمارے یہاں سے جانے کے بعد اسے یہاں سے ہٹا دیا جائے۔ اور ہم اس کے ذریعے ان کے وطن کا کوئی اندازہ نہ لگا سکیں۔"

"اوہ!"

ان سب کے منزے سے ایک بار پھر نکلا۔

"اُس نکا مطلب ہے، جب ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے تو یہ جزیرہ یہاں نہیں رہے گا۔ یہاں سے کہیں اور سر کا دیا جائے گا۔" خان رحمن بولے۔

"ہاں خان رحمن! یہی بات ہے۔ خیر کوئی بات نہیں، اس ملک کا نام تو ہم معلوم کرہی یہی لیں گے۔" انپکٹر جمیڈ نے براہما منہ بناتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہی معلوم کر لیں گے۔" محمود بولا۔

"پتا نہیں۔ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" انہوں نے کندھ سے اچکا۔

اور پھر وہ لایخ میں سوار ہو گئے۔ خان رحمن نے ڈرائیور سید علی اور بولے:

"کس طرف چلوں جمیڈ؟"

"ہم بھلا کس طرف سے آتے تھے؟"

”آج تک ہم جب بھی اکٹھے کسی ہم پر نکلے۔ وہ بھارے سے ملک کے لیے ہوتی تھی یا پورے عالم اسلام کے۔ لیکن آج ہم سب صرف ایک عورت کی تلاش میں ہیں ہیں۔ یہ کیسا ناخوش گوار اتفاق ہے ابا جان۔ فرزانہ نیکیں بچے میں کہا۔

”یہ ناخوش گوار نہیں ہے۔“ وہ بولے۔

”جی کیا فرمایا۔ ناخوش گوار نہیں ہے؟“
”ہاں! نہیں ہے۔“

”وہ کیسے؟ خان رحمن بولے۔

”وہ ایسے کہ ایک عورت کو اخوا کرنے والوں کے چنگل کے نجات دلانا بھی میں نہیں ہے۔ محمد بن قاسم کو یاد کرو۔ کے صرف چند عورتوں کو راجا داہر کے چنگل سے چھڑانے لیے پوری ایک فوج لے کر سندھ پر حملہ کرنا پڑتا تھا۔ تو پھر چند ہیں وہاں تو پورے دو لشکر لڑتے تھے۔“

”لیکن ابا جان! وہ بختگ تو اسلام اور سندھ مت درمیان ہوئی تھی۔“ تم کسی مسلمان عورت کی تلاش میں نکلے ہیں۔“

”یہ تم کس طرح کر سکتے ہو۔ ان لوگوں نے ابھی تک مذہب نہیں بتایا۔ فارسی میں بات چیت کرتے

”یہ نہیں بتایا جا سکتا جمیل۔“ خان رحمن بولے۔

”یکوں نہیں بتایا جا سکتا۔“

”میل کا پڑا ایک سیدھ میں سفر نہیں کرتا۔ اس نے گولائی میں سفر کیا ہے؟“

”اوہ۔ یہ لوگ تو ہماری امیدوں سے زیادہ چالاک ہیں۔ اپنکو کامران مرزا بولے۔“

”خیر کوئی بات نہیں۔ بسم اللہ کر لائیں کو ایک چکر دو اور انہن بند کر دو۔“

”کیا مطلب۔ بسم اللہ کر لائیں کو ایک چکر دوں انہیں بند کر دوں۔“ خان رحمن نے چیراں ہو کر کہا۔

”ہاں۔ جس رُخ لائیں رکے گی، ہم اللہ کا نام لے کر اسی سمت میں چل پڑیں گے۔ اس سے پہلے ہم اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں صحیح سمت میں ہی لے جاتے۔“

”آئین اس سب نے پُر خلوص انداز میں کہا، ساتھ میں آسمان کی طرف دیکھا بھی۔“

ڈیسا ہی کیا گیا۔ اور پھر لائیں جس سمت میں ٹھہری، اسی سمت میں وہ روانہ ہو گئے۔ جلد ہی جزیرہ ان کی نظروں سے اوچھل ہو گی۔ ان کا سفر جاری رہا، یہاں تک کہ کر تین دن گزر گئے۔

رہے ہیں۔ دُنیا میں کتنے ملک ہوں گے۔ جماں فارسی زبان بولی جاتی ہے۔

”لیکن جہید۔ یہ ضروری نہیں کہ اس ملک کی زبان فارسی ہی ہو۔ ہو سکتا ہے، انھوں نے ہمیں دھوکا دینے کے لیے فارسی زبان میں بات چیت کی ہو۔“

”ہاں! اس بات کا امکان ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ بھر حال مجھے یہ ہم کافی دلچسپ تھوڑا ہو رہی ہے، ذرا غور کرو۔ اگر ہم نے اس عورت کو تلاش کر لیا۔ اور اسے لے کر ہم اپنے ملک پہنچ گئے تو وہ کس طرح ہم ہو گی؟“

”موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ڈر کر کیا اس کے لیے بھی انھوں نے کچھ سوچ رکھا ہو گا۔“

”لیکن ہمیں بھی تو کچھ سوچنا ہو گا۔“

”جب عورت مل جائے گی تو سوچ لیں گے۔ فی الحال تو سوچنا یہ ہے کہ۔ اوہ ہو۔ وہ دیکھیے۔ ایک عدد جماں کے عرش طرف وہ جلد جماں کے نزدیک پہنچ گئے۔ جماں کے عرش فاروق کہتے رک گیا۔

”تم لوگ کون ہو۔ کیا مدد چاہتے ہو؟“ ایک نے پیغام بول اُٹھئے:

”وہ شاید جماں کا پکستان تھا۔“

”ہماری کہانی بھی ہے۔ اس یہ نورا یہ نہیں بتا

نے کہا۔

”جی۔ دشمن جماں۔ ہماری لپٹ پر کسی ملک کا جھنڈا تو لگا ہوا ہے نہیں۔ نہ ہمیں اس جماں پر کوئی جھنڈا نظر آ رہا ہے۔ پھر بھلا یہ کیسے معلوم ہو گا کہ ہم لوگ آپس میں دشمن ہیں یا دوست؟“

”لیکن آباجان! یہ جماں ڈاکوؤں کا بھی تو ہو سکتا ہے۔“

”اوے باپ رے۔“ شوکی نے لرز کر کہا۔

”اگر یہ جماں ڈاکوؤں کا ہے۔ تب تو اور مصیبت

ہو گی۔“

”مُوت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ڈر کر کیا

فائدہ اٹھایں گے۔“

چلو خان رحمان۔ بے دھڑک جماں کی طرف۔ اس کے لیے بھی انھوں نے کچھ سوچ رکھا ہو گا۔“

”لیکن ہمیں بھی تو کچھ سوچنا ہو گا۔“

”جماں کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ اس کی طرف۔ اس طرف وہ جلد جماں کے نزدیک پہنچ گئے۔ جماں کے عرش پر بے شمار لوگ کھڑے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔“

”تم لوگ کون ہو۔ کیا مدد چاہتے ہو؟“ ایک نے پیغام بکر کہا۔

”یہ کوئی دشمن جماں بھی ہو سکتا ہے۔“ پروفیسر داؤڈ

”اور وہ ہماری طرف ہی آ رہا ہے۔“

سکتے کہ، ہم کون ہیں۔ اگر آپ ہمیں جہاز پر سوار کر لیں اور یہ لانچ بھی پڑھا لیں تو، ہم بیٹھ کر بات پیش کر لیں گے۔ اگر آپ کو، ہماری مدد نامنظور ہوتی تو، ہم پھر سمندر میں اُتر جائیں گے اپنی لانچ لے کر۔

”پچھے مال پانی بھی ہے پاں؟“ پکستان نے کہا۔

”مال اور پانی۔ سمندر میں اس قدر پانی کے ہوتے ہوئے بھی آپ پانی کی بات کر رہے ہیں۔ کمال ہے۔ حیرت ہے۔“

”اچھا چلو۔ صرف مال کی بات کر لیتے ہیں؟“
”اگر مال کی بات کرتے ہیں تو، ہم آپ کی پچھے خدمت کر رہی سکیں گے۔“

”پچھے خدمت۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوتی۔“

”میرا مطلب ہے۔ کافی خدمت۔“

”اچھا۔ تب تو آ جاؤ جہاز پر۔“

ان کے لیے رسی کی سیڑھی لٹکا دی گئی۔ لانچ کو بھی کٹدیوں میں پھسا کر اوپر پھینخ یا گیا۔

”اب ذرا مال کی بھلک دکھاؤ۔“ پکستان نے کہا۔

”آپ کو مال کی اس قدر یکوں فکر ہے جناب؟“

”اس لیے کہ یہ جہاز مال بردار ہے۔“ پکستان ہنسا۔

”بہت خوب۔ جگہ پسند آیا۔ آپ شاید بہت خوش مزاج۔“

”اپکٹر جمیش نے خود کو پُر سکون رکھتے ہوتے کہا، ورنہ میں غصہ آ رہا تھا۔“

”اہ! میں ضرورت سے زیادہ خوش مزاج ہوں۔“
”اس سے بھی کہیں زیادہ مال کی خواہش رکھتا ہوں۔ تم ہوں کے پاس جو پکھہ بھی ہے۔ جہاز کے عرش پر پھر کر دو۔ اس مال کا جائزہ لے کر، ہی میں فیصلہ کروں اگر تم لوگوں کو جہاز پر لے جایا جا سکتا ہے یا نہیں۔“
پکستان نے کہا۔

”اس سے پہلے کہ ہم مال کی بھلک دکھائیں۔ آپ یہ رہائیں۔ آپ جا کس ملک رہے ہیں؟“

”ہم چنگاپور جا رہے ہیں۔ بہت بڑی منڈی ہے وہ۔“
”بہت بڑی منڈی۔ لیکن کس چیز کی؟“ اپکٹر جمیش نے بونک کر کہا۔

”خرید و فروخت کی منڈی اور کس چیز کی؟“

”کس چیز کی خرید و فروخت کی؟“

”ہر قسم کی چیزوں کی؟“

”خیر، ہم بھی وہیں چلتے چلتے ہیں۔ وہاں سے، ہم اپنے لک تو جاسکیں گے نا۔“

”لیکن کیسے جا سکو گے۔ اس ملک میں تم لوگ بغیر

لائچ بھی آپ رکھ لیں، ساحل پر اترنے کے بعد ہم
آپ سے ن تو لائچ کا مطابق کریں گے، نہ مال کا۔
اچھی بات ہے۔ میں فکر کر دیں گا بھی کیوں۔ مجھے تو آپ کیسے پاس جائیں گے۔ آپ بے شک ہم سے
فکر ہے صرف مال کی۔ تم لوگ مال نکالو مال۔

”نہیں بھئی۔ میں اس قسم کے جھنجٹ میں نہیں پڑتا،
لیں تو سیدھی بات جانتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ مردہ ہی غائب
ہر دو۔ ن آپ ہوں گے۔ نہ ہمیں کوئی پریشانی ہو
گی۔ اگر آپ ہوں گے تو پریشانی کے امکانات تو
ہمیں گے نہ۔“

”آپ ہم سے تحریر لکھوا لیں۔“

”نہیں۔ میں خطرات مول یلنے کا عادی نہیں۔ تم سب
کو سمندر میں چھلانگ لگانا ہو گی۔ یہی میرا آخری فیصلہ
ہے۔ وہ بولا۔“

”تم ضرور سمندری ڈاکو ہو۔“

”چلو مان لیا۔ اس بات کے جان یلنے سے تم لوگ کی
فائدة اٹھا سکتے ہو۔“

”ہم فائدے کی نہیں۔ نقصان کی بات سوچ رہے
ہیں۔ یعنی یہ بات جان کر ہم کیا نقصان اٹھا سکتے ہیں۔“

”دیکھئے۔ ہم آپ کو بہت سا مال دے رہے ہیں، فاروق نے منہ بنایا۔“

ویزے کے داخل کس طرح ہو سکو گے؟“
”وہ ہم کر لیں گے۔ آپ فکر د کریں۔“
”اچھی بات ہے۔ میں فکر کر دیں گا بھی کیوں۔ مجھے تو آپ کیسے پاس جائیں گے۔ آپ بے شک ہم سے
فکر ہے صرف مال کی۔“ ”نکالو بھئی مال۔“

انھوں نے اپنی جیبیں خالی کر دیں۔ کافی دولت ہر شے
پر نظر آنے لگی۔

”رقم کافی ہے، لیکن تم لوگوں کا وزن جہاز برداشت
نہیں کر سکے گا۔“ اس نے سفاک لجھے میں کہا۔

”کیا مطلب؟“ انھوں نے چونک کر ایک ساتھ کہا۔

”جہاز پر پہلے ہی بہت مال لدا ہوا ہے۔ لہذا تم
اس مال کو ہمیں چھوڑ دو اور خود سمندر میں چھلانگیں رکا دو۔
لائچ کے بھی کہاڑیے اچھے پیسے دے دیں گے۔ اس
لیے یہ سودا بُرا نہیں رہا۔“

”آپ کی باتیں ہماری سمجھی میں نہیں آئیں۔“

”ان میں نہ سمجھا گئے والی کون سی بات ہے؟“

”کیا آپ ڈاکو لوگ ہیں؟“

”ڈاکو۔ خیر آپ ہمیں ڈاکو بھی کہ لیں۔“

”دیکھئے۔ ہم آپ کو بہت سا مال دے رہے ہیں، فاروق نے منہ بنایا۔“

"پتا نہیں، میں کیا بھول گی تھا۔ بہر حال تم لوگ چھلانگیں

لگا دو۔"

"کمال ہے، آپ تو اپنے الفاظ سے بھی پھر گئے۔ انپکٹر
کامران مرزا بولے۔

"مم۔ میں بحور ہوں۔ اگر بحور نہ ہوتا تو ضرور تم لوگوں
کو ساتھ لے جاتا۔"

"آپ میں بہر حال اچھائی موجود ہے۔ اور ہم اس
اچھائی کو سلام کرتے ہیں۔ آؤ بھئی چلیں۔" انپکٹر جھشید نے
جلدی جلدی کہا۔

"جی، کہاں چلیں؟"

"میرا مطلب ہے۔ آؤ چھلانگیں لگائیں۔
کھان ہاں جاؤ۔ شاباش۔ اچھے بچوں کی طرح خود ہی
چھلانگیں لگا دو۔ ورنہ مجھے اپنے آدمیوں کے ذریعے دھکے
کھوانے پڑ سکتے تو مجھے اور افسوس ہو گا۔"

"تو آپ ایسا کہیں۔ مال رکھ لیں۔ ہماری لاپچ
ہمیں روٹا دیں۔ کم از کم ہم اس پر سفر کر لیں گے۔"
"نہیں۔ لاپچ کی قیمت اس مال سے زیادہ ہے۔ جو

تم لوگوں کے پاس سے برآمد ہوا ہے۔"

"آپ بحیر کے ساتھ کھانا ہیں۔ ہم نے آج تک ایسا کہاں

"تمہارا دماغ تو چلا ہوا لگتا ہے۔"

"بہت درست اندازہ لگایا انکل۔" محمود نے خوش ہو
کر کہا۔

"یہ کیا۔ تم نے مجھے انکل کہا۔ میں تمہارا مال لوٹ
رہا ہوں۔ اور تھیں سمندر میں چھلانگ لگانے کے لیے کہا
رہا ہوں۔ اور تم مجھے انکل کہ رہے ہو۔"

"تنت۔ تم۔ عجیب ہو۔ نہ جانے کیا بات ہے۔
تھیں سمندر میں گرانے کو دل نہیں کر رہا۔ چلو۔ سفر کر
لو۔ جہاز پر۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔ نیکن یہ مال
اور لاپچ واپس نہیں میں گے۔ اور ہاں، تحریر بھی لکھ کر
دینا ہو گی کہ سفر کرانے کے معادفے کے طور پر تم لوگوں
نے یہ چیزوں میرے حوالے کی ہیں۔"

"منظور ہے۔" انپکٹر جھشید بولے۔

"پکتان صاحب۔ یہ آپ نے کیا فیصلہ سنادیا۔ جملہ
ہم انھیں کس طرح لے جا سکتے ہیں۔ شاید آپ بھول
سکتے۔" پکتان کے ساتھی نے کہا۔

"اوہ۔ اوہ۔ واقعی میں تو بھول ہی گی تھا۔"

"آپ کیا بھول گئے تھے؟" محمود نے چیراں ہو کر پوچھا۔

"یہ میرے الفاظ ہیں۔ جو پتھر پر لیکر ہیں۔"
لیکن جہاں پر آپ پتھر کماں سے نہیں گئے؟ مکھن کے
بچے میں چرت تھی۔

"اے۔ دماغ تو خراب نہیں تمہارا۔"
"ن۔ نہیں تو جناب یہ مکھن گھبرا گیا۔"

"ہاں! اب بتاؤ۔"

"پہلے یہ وعدہ کر لیں۔ جب تک ہم اپنی پوری کمائی
آپ کو سنائیں دیں۔ آپ ہمیں سمندر میں نہیں پھینکیں گے۔"
"ہاں ہاں۔ کہ دیانا۔ نہیں پھینکیں گے۔"

"شکریہ۔ شوک۔ تم کہانی شروع کرو، لیکن اس طرح
کہ وہ کئی دن میں ختم ہو، پھر کامران مرزا شروع کریں گے
اور کئی دن اور گزر جائیں گے۔ پھر میں شروع کر دیں
گما۔ اور کئی دن گزر جائیں گے۔ اس وقت تو شاید ہم
پھنگا پور پتھر ہی جائیں گے۔"

"یہ یہ کیا بجواں ہے۔ ابھی اور اسی وقت کہانی
شنانا ہو گی۔"

"نہیں سناتے جناب۔ آپ کیا کر لیں گے۔ وعدہ تو
آپ کر ہی چکے ہیں۔"
"تم لوگوں کی بھی اور وعدے کی بھی ایسی کی تیسی۔"

"تو یہ تم اکثر اوقات پکستان دیکھتے رہتے ہو؟" اس نے
جیران ہو کر کہا۔

"جی نہیں۔ اکثر تو نہیں۔ جب کبھی جی چاہتا ہے۔
دیکھ لیتے ہیں۔ فاروق نے منہ بنایا۔"

"کیا کہ رہے ہو؟"

"آپ بچھے نہیں انکل۔ ہمارے پاس بہت سے کتابوں
کی تصاویر ہیں۔ جب جی چاہتا ہے، ان تصاویر کو دیکھ
لیتے ہیں۔ افتاب نے جلدی سے کہا۔

"باتیں بہت ہو چکیں۔ اور میں نے ابھی تم سے یہ
بھی نہیں پوچھا۔ تم سمندر میں ہم کس طرح گئے۔ کیا اس
لائچ پر گھونٹنے نکلے تھے اور راستہ بھٹک گئے ہو؟"

"آپ یہی بچھے لیں کہ ہم راستا بھٹک گئے ہیں۔"
"میں بچھے ہوں، لیکن کیوں بچھے ہوں۔ جو بات ہے۔

وہ بتا دوتا۔ اس نے جیران ہو کر کہا۔

"کیا ضروری ہے بتانا۔ جب چھلانگ ہی لگانا ٹھہری۔"

"تم لوگ اس وقت تک چھلانگیں نہیں لگا سکتے جب تک کہ
ساری بات ہمیں نہیں بتا دیتے۔"

"کیا یہ آپ کا عمدہ ہے۔ وعدہ ہے۔ یا کیا ہے؟"

تھے کہ انھیں پھڑانے کے لیے آفتاب اور فاروق یک دم مختلف سمتوں سے آگے بڑھے اور اس قدر تیزی سے اور انہا دھنڈ آگے بڑھے کہ جوی طرح آپس میں ٹکرا گئے اور دُر جا کر گئے۔

"بس تم تو پھرًا چکے انھیں۔ پہلے اپنے آپ کی تو خبر لے لو۔" فرزانہ نے ٹبلہ کر کہا۔

"دیکھ کر نہیں جا سکتے تھے۔" فرحت نے بھی ٹبلہ کر آفتاب سے کہا اور دونوں محمود اور آصف کو پھڑانے کے لیے آگے بڑھیں۔ ادھر آفتاب اور فاروق اٹھ کر بے تحاشہ پھر ایک دوسرے کی طرف دوڑنا شروع کر چکے تھے۔ لہذا ہوا یہ کہ آفتاب فرحت سے اور فاروق فرزانہ سے بہت زور سے ٹکرا یا۔ اب چاروں چکرا کر گئے۔

"یہ کیا ہوا ہے؟" پکان نے چلا کر کہا۔

"ابھی تکھو، ہم خود بھی نہیں بجھ سکے کہ یہ کیا ہوا ہے۔ بہر حال جو نہیں ہم سمجھے، آپ کو ضرور بتائیں گے کہ یہ کیا ہوا ہے۔" فیلے اس وقت شاید ہمارے بڑے سمجھے چکے ہوں کہ یہ کیا ہوا ہے۔

"ہاں! بہت اچھی طرح سمجھے چکے ہیں اور اب تمھیں بجھا کر چھوڑ دیں گے۔ ہر جگہ تم لڑنا جگڑنا شروع کر دیتے

"ہد ہو گئی یعنی کہ۔ اب بے چارے دعویوں کی بھی ایسی کی تیسی ہونے لگی۔ دھست تیرے کی۔" آصف نے جھلک کر کہا۔

"ہو گی ہمیں کیا۔" لیکن تم میرا تیکہ کلام نہیں چرا سکتے۔ محمود نے اسے گھوڑا۔

"اور ہو گی کیا؟" آصف نے بھی پھر اٹھانے والے انداز میں کہا۔

"ایسی کی تیسی اور کیا۔" محمود نے چلا کر کہا۔ "ضرور تھارا دماغ چل گیا ہے، جو اوٹ پلانگ باشی کیے جا رہے ہو۔"

"میرا نہیں۔ تھارا۔" خبردار جو میرے دماغ کی شان میں ایک لفظ بھی کہا۔

"شان اور دُر بھی دماغ کی تھارے، آئینے میں صورت دیکھی سے کبھی۔"

"ہر روز دیکھتا ہوں۔" لیکن بات صورت کی نہیں، دماغ کی ہو رہی تھی اور تم نے میرے دماغ کی ایسی کی تیسی پھر دی ہے۔ لہذا میں تمھیں نہیں چھوڑ دیں گا اُں۔"

اتنا کہ کہ اس نے آصف پر چھلانگ لگا دی۔ دونوں دھڑام سے گرے۔ بڑے بھی ارے ارے ہی کر رہے

ذہن محاورے کی طرف چلا گیا تھا اور محاورتاً راجا اندر کا ہی الہاڑہ مشہود ہے۔ خیر نہیں کیا۔ ہم رسم کے الہاڑے سے بھی کام چلا لیں گے؟

”کیا خاک چلا لو گے۔ تمہارا تو دماغ ہی چل چکا ہے۔“ پکتان نے منہ بنایا۔

اب وہ سب آپس میں گتھم گتھا ہو چکے تھے۔ صرف شوکی برادرز حیرت زدہ انداز میں منہ کھوبے کھڑے تھے۔ ”بند کرو۔ بند کرو۔ کہیں جہاز نڈوب جائے۔“ پکتان چلایا۔

”کیا کہا۔ کہیں جہاز نڈوب جائے، وہ کیسے؟“ ”جس جہاز پر دھنکا مشتی ہوتی ہے۔ وہ بہت جلد ڈوب جاتا ہے۔“

”یہ کسی نے کہ دیا آپ سے۔“ ”ایک جادوگرنے بتایا تھا۔ اور اس نے یہ بات بتانے کے پانچ سور و پھے لیے تھے۔“

”اور آپ نے دیے تھے۔“ آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

”تو اور کیا کرتا۔ وہ تو اٹ دیتا میرا جہاز جادو کے زور سے ارے نہیں۔ یہ کیا۔ تم نے تو مجھے بھی اپنی

ہو۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ لوگ کیا سوچیں گے؟“ انپکٹر کامران مرزا نے جلدی جلدی تملکتے ہوئے انداز میں کہا اور ان کی طرف بچھٹے بھی۔

”اس لیے نہیں سوچتے کہ لوگ تو سوچیں گے، ہی۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”اخیں میں راستا بتاتا ہوں۔“ انپکٹر جیش نے بھی چلا کر کہا اور آگے بڑھے۔

یہ میں اس وقت ان کے راستے میں پریوفسرو فردا و اور خان رخان آگے۔ لہذا یہ بھی آپس میں ٹکرا کر دھرم دھم گرے۔

”اوہ ہو۔ یہ کیا طوفان بد تیزی بپا کر دیا تم لوگوں نے، یہ میرا جہاز ہے۔ کوئی رسم کا الہاڑہ نہیں ہے۔“ پکتان نے پیخ کر کہا۔

”یہ بات نہیں اچھی طرح معلوم ہے۔“ آصف نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”لک۔ کون سی بات؟“ پکتان نے فوراً کہا۔

”یہ کہ یہ راجا اندر کا الہاڑہ نہیں ہے۔“

”میں نے راجا اندر کا نام کب لیا؟“

”اوہ ہاں! آپ نے تو رسم کا الہاڑہ کہا تھا۔ میرا

باتوں میں لگا یا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ وہ آپ کو پہلے کی نسبت زیادہ اجازت میں گے۔ انپر کڑ جو شید فوراً بولے۔

"وہ سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ تو عجیب بات ہو گئی۔" فاروق بولا۔

"کون سی بات عجیب ہو گئی؟" پکتان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ کہ۔ ہماری لڑائی سے تنگ آ کر آپ نے ہماری سزا معاف کر دی۔ اور جہاز پر سفر کی اجازت بھی دے دی۔ آخر یکوں؟"

"اس لیے کہ تم لوگ مجھے بہت دلچسپ لگے ہو۔" اس کے کہا۔

"یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"زیادہ تر ملا خاتیوں کو، ہم دلچسپ ہی لگتے ہیں۔"

"لیکن اس کے باوجودہ میں تم لوگوں کی کہانی ضرور سننا چاہتا ہوں۔"

"ہماری کہانی۔ دراصل ایک شمن نے ہمیں اس لایچیت سمندر میں آثار دیا تھا۔"

"وہ کس طرح؟"

"یہ ان کے باہمیں ہاتھ کا کمال ہے۔" شوکی نے بُرا سا من بن کر کہا۔

"ادہ۔ تم چاروں یکوں الگ کھڑے ہو۔ کیا تم ان میں شامل نہیں ہو؟"

"شامل ضرور ہیں، لیکن لڑنے جھوٹنے کی حد تک نہیں، ہم بغیر لڑے، ہی کام نکال لیتے ہیں۔"

"بالکل جھوٹ۔" فاروق نے پیغام کر کہا۔

"کیا بات بالکل جھوٹ؟" پکتان بولا۔

"یہ کہ یہ بغیر لڑے، ہی کام نکال لیتے ہیں۔ ابھی تک انہوں نے کون سا کام نکال کر دکھایا۔ ذرا یہ تو بتائیں۔"

"تو ابھی موقع ہی کب ملا ہے۔ جو نہیں موقع ملا، نکال کر دکھا دیں گے۔" مکھن نے من بنایا۔

"اچا بس۔ بند کر دو۔ یہ سب۔ میں اپنا مطالبہ والپیسا ہوں، تمہاری سزا معاف کرتا ہوں، اب چنگار پور تک

تم اس جہاز پر سفر کر سکتے ہو۔ لیکن چنگار پور کی پولیس کو تم خود جواب دہ ہو گے، میں ان سے تم لوگوں

کے بارے میں کچھ نہیں کہ سکوں گا۔ دردہ وہ میرے جہاز کی آمد اپنی بندرگاہ پر بند کر دیں گے۔"

"اس کے تیور خلنگ ہیں جاپ۔ انپکٹر جمیش نے لگھرا کر کہا۔

"نہیں کانگو۔ یہ مہمان ہیں۔" پکتان نے سرد آواز میں کہا۔
کانگو کے چہرے کی سختی فوراً بدل گئی اور پھر وہ مسکرا دیا۔ بالکل سیاہ رنگ پر اس کے سُرخ سُرخ ہونٹ بہت خوف ناک سے لگے۔ آخر وہ انھیں ایک بڑے کمرے میں لے لیا اور دروازہ باہر سے بند کر کے چلا گیا۔

"یہ کیا۔ یہ تو دروازہ بند کر کے چلا گیا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ ہمیں جہاز کے قیدی بنایا گیا ہے۔" فاروق بولا۔

"یہیں ہم قیدی بن کر سفر نہیں کر سکتے۔ آٹھ دس دن ہمارے پاس اس ایک کمرے میں کس طرح گزاریں گے؟" اصف نے لگھرا کر کہا۔

"ابھی بات کر لیتے ہیں۔ سب مل کر شور مچانا شروع کر دو۔"

وہ گلے پھاڑنے لگے۔ اس قدر شور مچایا کہ پکتان کو اپنے ساتھیوں سمیت اس کمرے تک آنا، ہی پڑا۔

"کیا ہو گی ہے؟" پکتان چلایا۔

وہ یک لخت خاموش ہو گئے۔

"ہیلی کا پٹر کے ذریعے۔"

"اوہ! اب سمجھا۔ اب تم اس سے انتقام لو گے۔
یکوں۔ یہی بات ہے تا۔"

"معاملہ اگر ذاتی نوعیت کا ہوتا تو ہم معاف کر دیتے،
یہیں شاید یہ معاملہ ذاتی نوعیت کا نہیں ہے، اس لیے ہم معاف نہیں کر سکیں گے۔ بہر حال ہم ابھی یقین سے کچھ نہیں کہ سکتے۔"

"کانگو۔ انھیں ایک بڑا کمرہ دے دو۔ یہ سب اس ایک کمرے میں رہ لیں گے۔ کھانا یہ میرے ذمے سے کھائیں گے۔"

"نہیں جناب۔ ہم کھانے کی قیمت دے سکتے ہیں۔
ہمارے پاس کچھ ایسی چیزوں نکل آئیں گی۔ جو آپ کے کھانے اور دوسری چیزوں کی قیمت چکا دیں۔"

"نہیں۔ کہ جو دیا۔ تم لوگ ہمارے مہمان ہو اور اس۔"

"ابھی بات ہے۔ یونہی سہی۔"

کانگو۔ انھیں لے جاؤ۔"

کانگو آگے بڑھا۔ انھوں نے دیکھا۔ وہ سیاہ فام تھا۔
سیاہ فام کو دیکھ کر انھیں کچھ حیرت سی ہوئی۔ وہ انھیں کچا چھا جانے کے انداز میں آگے بڑھا۔

گڑ بڑ کر کے جلا کیا کریں گے:
اوکے سر۔

اور وہ دہان سے چلے گئے۔ ان کے کمرے کا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ گویا اب وہ باہر نکل سکتے تھے۔ ادھر ادھر آ جاسکتے تھے۔ ان کا سفر جاری رہا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ سمندر کے درمیان میں سورج غروب ہونے کا منظر انھیں مدد رہے عجیب سالگرا۔ انھیں یوں محسوس ہوا جیسے سونے کا بہت بڑا تحال پانی میں اُتر رہا ہو۔ رات کے وقت کانگوں کے پاس آیا:

”کھانا تیار ہے۔“ اس نے سخت آواز میں کہا۔

”آپ اب بھی ہم پر شک کر رہے ہیں؟“

”لیں! میں مجبور ہوں۔“ اس نے بھٹنا کر کہا۔

”بجور۔ کس بات پر؟“

”شک کرنے پر اور کس پر؟“ اس نے جل کر کہا۔

”لیکن یہ سالشک؟“

”آپ لوگ ضرور حاسوس ہیں۔ اور ہمارے جہاز کی جاسوی کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے یہ بات کپتان کو بتا دی ہے۔“

”پھر انہوں نے کیا کہا؟“

”ہمیں قید کیوں کیا گیا ہے۔ یہ مہافوں کے ساتھ اس جہاز پر یہی سلوک کیا جاتا ہے؟“

”ن۔ نہیں تو۔ کانگو۔ میں نے کب کہا تھا کہ انھیں قید کر دینا۔ چلو کھولو دروازہ۔“

”ل۔ لیکن کپتان۔ یہ لوگ مجھے بہت خطرناک لگتے ہیں۔“
”یجھے۔ ہم ان حضرت کو خطرناک لکھتے ہیں۔ ہے کوئی تک۔“ افتاب نے بھٹنا کر کہا۔

”خاموش! آپ لوگ کانگو کو نہیں جانتے۔ ان کی چھٹی جس بہت تیز ہے؟“

”آپ ہماری تلاشی لے چکے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ ہم نے کوئی گڑ بڑا بھی نہیں لکھی ہے۔ آخر، ہم خطرناک کس طرح ہو گئے؟“

”بھٹی یہ کانگو کا معاملہ ہے۔ اسے ہر وقت اپنی چھٹی جس کی پڑھی رہتی ہے۔ چلو کانگو۔ کھول دو دروازہ۔“

کانگو نے بڑا سامنہ بناتے ہوئے دروازہ کھول دیا اور بولا:

”دیکھ لینا کپتان۔ یہ لوگ ضرور کوئی نہ کوئی گڑ بڑا کریں گے۔“

”اچھا۔ دیکھ لیں گے۔ تم چلو۔ یہ ہمارے جہاز پر“

ساتے کی طرح لگا رہوں گا۔"

"آپ کی مرثی - ہم آپ کو روکنے والے بھلا کون ہیں؟" آصف نے منہ بنایا۔

وہ عرش پر آگئے۔ آسمان پر اب چاند چمک رہا تھا۔ اور اس کی روشنی سمندر کی طرح ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ یہ عجیب نظارہ تھا۔ سمندر کا پانی کافی ادنیٰ اچھل رہا تھا اور اسی حباب سے ان کا جہاز اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ عرش پر بہت کم لوگ تھے۔ شاید زیادہ تر اکام کے موڑ میں تھے۔ یوں بھی جہاز پر زیادہ آدمی نہیں تھے۔ اس لیے کہ یہ مسافر برادر نہیں تھا۔ صرف مال بردار تھا۔

"اس جہاز پر کیا مال لدا رہوا ہے؟ آفتاب نے پوچھا۔ "پس کی گانٹھیں۔ کانگو نے کہا۔

چکلی منزل میں ہوں گی۔"

"مال اور کیا اوپر والی منزل میں ہوں گی؟" اس نے بھٹک کر کہا۔

"وہ دراصل یعنی چکلی منزل کی بھی سیر کرنا چاہتے تھے۔" ہر گز نہیں، اگر کپتاں صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ تم لوگوں نے نیچے جانے کی کوشش کی ہے تو اٹھوا کہ سمندر میں چنکوا دے گا۔" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"مجھے آپ کی نگرانی کے فرائض سونپ دیے ہیں انہوں نے اور میں آپ لوگوں کو جاؤسی نہیں کرنے دوں گا۔" اس نے غرزا کر کہا۔

"آخر ہم جاؤسی کیوں کریں گے۔ کیا اس جہاز پر کوئی آیسی چیز ہے؟" انپکٹر کامران مرزا نے اس کے چہرے پر نظریں جھا دیں۔ کانگو کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزلا گا۔" اس نے سنبھل کر کہا:

"نہیں۔ اس پر کوئی آیسی چیز نہیں ہے۔ میں تم اپنے کام سے کام رکھتا۔ تم عرش پر جاسکتے ہو۔ کھانے کے کمرے میں جاسکتے ہو اور اپنے کمرے میں جاسکتے ہو۔" میں۔ اس کے علاوہ میں تمہیں کسی طرف جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"شکری۔ بہت بہتر۔ کیا آپ رات کو سوتے نہیں؟" "سوتا ہوں۔ رات کے وقت تو آپ لوگوں کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا جایا کرے گا۔"

"ہوں۔ ابھی تو نہات کا ابتدائی حصہ ہے۔ ہم سیر کو جاسکتے ہیں نا۔"

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ لیکن میں آپ لوگوں کے ساتھ

”اس کی باتیں عام طور پر عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس لیے کہ خاص طور پر اوٹ پلانگ ہوتی ہیں۔“
آفتاب نے شوخ توازیں کہا۔

”کیا عام طور پر اور خاص طور پر لگا رکھی ہے، میدھی طرح بات نہیں کر سکتے۔“ فاروق نے جل کر کہا۔

اچانک انھوں نے فرزانہ کو چونکتے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی حرمت کے آثار خودار ہوئے اور پھر فوراً ہی غائب ہو گئے، یونہکہ کامنے کا نگونے فوراً اس کی طرف رُخ کی تھا:

”شش۔ شاید کوئی چیزوں کاٹ گئے ہے۔“ فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

”چیزوں اور جہاز پر۔ نا ممکن۔“ کامنے کیا ہوئے جیران ہو کر کہا۔
”کوئی اور چیز ہو گی۔“
”اچھا، اب تم لوگ آدم کرو۔ میرے بھی آرام کا وقت ہو گیا ہے۔“

”اور، ہماری نگرانی کون کرے گا؟“
”کرے میں بند کرنے کے بعد نگرانی کی ضرورت نہیں۔“
ان دروازوں کو تم لوگ نہیں کھول سکو گے۔
”اوہ اچھا۔“ اسپکٹر جمشید بولے۔

”ان سے صرف اتنا کہ دیں کہ جب بھی وہ آیا کریں، ہماری لائچے سمندر میں ضرور چھینکیں۔“

”لائچے ضبط کر لی گئی ہے۔ وہ تو تم لوگوں کو جہاز سے اترنے پر بھی نہیں ملے گی۔“

”کیا مطلب؟“

”بطور معاوضہ۔ آخر، تم تھیں سمندر پار لے جا رہے ہیں۔“ کامنے کہا۔

”تو اس کا معاوضہ نقد صورت میں وصول کریں۔“
”لائچے کیوں؟“

”اس لیے کہ پکتان صاحب کو لائچے بہت پسند ہے گئی ہے، شکار وغیرہ کھیلنے کے لیے بہت بہترین ہے۔“ اس نے کہا۔

”اس جہاز کا اور تمہارے پکتان کا تعلق کس ملک سے ہے؟“
”ڈنگا سے۔“

”تو ٹیڑھا کہ لو بھائی۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”کیا کہ لیں؟“ وہ بولا۔

”اس ملک کا نام ڈنگا ہے نا۔ ہماری طرف ڈنگا کا صحیح لفظ ٹیڑھا ہے۔“

”پتا نہیں، کیا کہ رہے ہو؟“ اس نے منہ بنایا۔

کانگو تھیں مکے میں بند کر کے چلا گیا۔ دروازہ سلاخ در
تھا۔ کمرے میں موجود تمام لوگوں کو باہر سے بخوبی دیکھا
جا سکتا تھا۔

"تو پھر بسم اللہ کریں؟" شوکی نے بے تابانہ انداز
میں کہا۔

"نکاو بھئی۔" اپکٹر جھیڈ بولے۔
محمود اپنے بخوتے کی ایرڑی پر بھکا، لیکن پھر بھکا
ہی رہ گیا۔

کافی دیر تک وہ خاموش یلتے رہے۔ جب جہاز
پر بالکل خاموشی محسوس ہونے لگی تو اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ
سب لوگ سو گئے ہیں۔ صرف جہاز کو چلانے والے
کنٹرول روم میں جاگ رہا ہے۔ اپکٹر جھیڈ نے فرزانہ
کے کان کے قریب منہ کر کے کہا:

"فرزانہ! تم کیوں چونکی تھیں؟
میں نے۔ میں نے ایک لہراتی چیخ کی۔ بست اسی
بلکی آواز سنی تھی۔"

"وہ تمہارا دہم بھی تو ہو سکتا ہے۔
جی ہاں! ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے تیسم کیا۔

"پھر۔ کیا خیال ہے؟
میں چاہتی ہوں۔ اس جہاز کی پچھی منزلیں دیکھ
ڈالی جائیں۔"

"اچھی بات ہے۔ دیسے جب ہم نے کانگو سے
پوچھا تھا کہ اس جہاز میں کیا ہے۔ تب بھی وہ کچھ
پوچھنکتا سا نظر آیا تھا۔ لہذا اس جہاز کو دیکھنا ہی ہو گا۔"

ہان نے بھی زور لگانا شروع کیا۔ اچانک سلاخ مڑنے لے، لیکن اس کے مڑنے کی رفتار بہت کم تھی؛ تاہم پر لگے رہے۔ یہاں تک کہ سلاخ دوسری سے جا لگی۔ بے جو جگہ بنی تھی۔ اس میں سے صرف فرزاد نے فرحت مل سکتی تھی۔

”تم دونوں نیچے کی سیر کراؤ۔ کیا خیال ہے؟“
”بھیں ڈر لگئے تھے۔“ فرزاد بولی۔

”اچھی بات ہے۔“ ہم اس دوسری سلاخ کو بھی موڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”لیکن یہ تم ڈلنے کب سے لگ گئیں۔ ہٹ جائیے جان۔ میں اس جگہ سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔“
”نہیں بھی۔ تمھارا جسم چھل جائے گا۔ فرحت اور فرزاد بھی یہاں سے اپنے جسم پر رکڑیں کھاتے بغیر نہیں کھل سکیں گی۔ فدا ٹھہرو۔“ انپکٹر جمیش بولے۔

اب تینوں نے دوسری سلاخ کو دوسری طرف موڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ آدم حنٹے کی زبردست زور آزمائی کے بعد آخر دوسری سلاخ دوسری طرف سلاخ سے جا لگی اور اس طرح نکلنے کی جگہ بن گئی۔ وہ ایک یک کر کے باہر نکل آئے۔

قانونی مہندی

”کیا ہو گی بھائی۔ چاقونے پکڑ تو نہیں لے۔“
”چج۔ چاقو۔ میرے پاس نہیں ہے۔“ اس نے بوکھا کر کہا۔
”کیا کہا۔ نہیں ہے؟“

”ہاں!“ اس نے کھوتے کھوتے انداز میں کہا۔
”تب پھر وہ اس وقت ایڑی سے نکال لیا گی۔ جب
نہیں بے ہوش کیا گیا تھا۔“

”ٹھہرو۔ میں ان سلاخوں کی طاقت آزماؤں۔“
انھوں نے کہا اور ایک سلاخ پر لگے زور لگانے،
لیکن وہ کافی موٹی تھی۔ جب سلاخ کا کچھ نہ بچڑا تو انپکٹر
کامران مرزا نے بھی اپنا ہاتھ ساتھ ری جھا دیا۔ اب
دونوں زور لگانے لگے۔ سلاخ اب بھی نہ مڑی تو خان

جہاز پر جگہ بدل روشن تھے۔ ان اخنوں نے دیکھا، بڑے بڑے ہال سے بننے پڑنے کی روشنی میں دُہ اپنا راستا تلاش کرتے چلے گئے۔ اس وقت وہ سب سے اوپر والی منزل پر تھے۔ پھر اس بھری پنچلی منزل پر آئے۔ اس منزل میں واقعی پاس کی گانٹھیں لدی ہوئی تھیں۔ پوری منزل گانٹھوں سے بھری پڑی تھی۔ اب اخنوں نے پیری منزل کا رخ کیا۔ پیری صیال اتر کر جب وہ نچے چھپتے تو اس منزل میں اخیں ایک بھی روفی کی گانٹھ نظر نہ آئی۔

"یہاں تو گانٹھیں نہیں ہیں۔"

ایک، ہی منزل جتنی گانٹھیں ہوں گی۔

لیکن یکوں۔ بھری جہاز تو پوری طرح لادے جانے کے بعد ہی چلتا ہے۔"

اسے ایک زور دار جھٹکا لگا ہو وہ دھرام سے نچے اپر روشن دان ضرور تھے۔ اب انسانی پیری صیال اس کے گرنے کی آواز ان سب نے سنی۔ دُہ فاروق اور پر چڑھا اور روشن دان میں سے اندر جھانک دیکھا۔

اس سکتا ہے۔ کسی ملک کی بندرگاہ پر اس منزل کا سامان آتا دیا گیا ہوتا۔

اس صورت میں دُہ سامان دوسری منزل پر لادا جانا تھا۔ تاکہ راستے میں اتارنے میں آسانی رہتی۔ اور لادنے اور اتارنے کا یہی اصول ہے۔

"اگر۔ کیا ہوا۔ تم گر کیسے گئے؟"

"مم۔ میں اپنی حرمت پر قابو نہ پا سکا۔"

کیوں۔ تم نے کیا دیکھا؟ انپکٹر جمیں بولے۔

"میں۔ میں بتا نہیں سکتا۔ اُفت مالک۔ آپ خود

دیکھ لیں۔"

اب اس میں ہم کی کر سکتے ہیں؟

پہلے اس منزل کا جائزہ تو ہیں۔"

"یہ سب اخوا کی گئی ہیں - اور مختلف ملکوں سے اخوا
کے انہیں ایک جگہ جمع کیا گیا ہے - وہاں سے اس جہاز
لادا گیا ہے"

لیکن کیوں پ سوال تو یہ ہے۔

”اس سوال کا جواب تو جہاز کا پکستان، ہی دے سکتا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود توں کی الات کرتے ہیں۔“

عورتوں کی تجارت۔ اُف مالک۔ وہ کافی گئے۔

"ہم آج تک اخبارات میں پڑھتے تو رہے ہیں، لیکن سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ کام اتنے بڑے پیمانے پر ہو گا۔ انسپکٹر کامران مرزا بڑھتا ہے۔"

اور۔ اور کیا پتا... فرحت کہتے رک گئی۔

کیا پیتا کیا ہے آصف اس کی طرف مڑا۔

کا پتا۔ وہ ملکہ بھی انھی میں ہو۔

ہل ! اس بات کا امکان ہے۔ انپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

لیکن اب تھم کیا کہیں ہے؟

ہم پر اب بہت بڑی ذلتی داری عاید ہو گئی ہے،

اس جہاز پر قبضہ کرنا پڑے گا۔

اوہ! ان کے منز میں ایک ساقھہ نکلا۔

١٦

اندر - اندر چوڑیں بند ہیں۔

خورشید

"ہاں قید کی ہوئی عورتیں - ان کے لاتھ پیر بندھ ہوتے ہیں - منہ بھی ٹیپ لگا کر بند کر دیے گئے ہیں - گواہ وہ منہ سے آواز نہیں نکال سکتی۔"

"یا اللہ رحمٰم - تب پھر فرزانہ نے دُو گلزار یکے ٹن لی
تھی۔" خان رحمن بولے۔

پپ - پتا نہیں" فرزانہ بولی۔

"اس کے کافوں کو شایاں دیتے ہیں۔ بن پڑتی ہے۔" پر فرم
داور بڑھتا ہے۔

او باقی کرے میں دیکھ ڈالیں۔

ایک ایک کر کے انھوں نے تمام کمرے دکھڑا لے۔

در اس وقت اخیس یا سنه خیز حقیقت معلوم ہوئی کہ ان

سب کروں میں عجوں
خوب خضرہ درستونیں گئیں

"ما اللہ رحمہ - سرخ کا دیکھ رہے ہیں"

"اود سے ملی بھی مختلف بنگا وہیں اون تو چوڑکی۔

مختصر مکمل کوہا

242

میں اس وقت ایک بلکا سا کھٹکا ہوا۔ انہوں نے ہو گا۔ پکتان ملکرا یا۔

"لیکن یہ چکر کیا ہے؟"

"سمندر کی تھیں جانے سے پہلے تم چکر بھی سن لو،
یہ عورتیں چنگا پور میں فردخت کی جائیں گی۔ چنگا پور عورتوں
کی سب سے بڑی منڈی ہے۔"

"کیا بات کرتے ہو۔ بھلا عورتوں کی بھی منڈیاں
ہوتی ہیں؟"

"ہاں! ہیں۔ بہت سے ملکوں میں۔ لیکن سب سے
بڑی منڈی چنگا پور ہے۔ اور وہاں عورتوں کی قیمت بہت
لیکن ہم اس جگہ خون بھانا بھی پسند نہیں کریں گے۔ اس
زیادہ ملتی ہے۔ تم لوگوں نے کبھی موہیشیوں کی منڈی دیکھی ہے؟"
یہاں کیا ہے۔ تو ہم تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے،
لیکن ہم اس طرح ہمیں جہاز کی صفائی کرتا پڑے گے۔ لہذا تم لوگ
اوپر عرش پر چلو۔ چاند کی روشنی میں تم لوگوں کا قتل
کیا ہے۔

"ہاں کیوں نہیں۔ کیا ہم انسان نہیں ہیں۔" شوکی نے
منہ بنایا۔

"بس تو پھر۔ بالکل اس طرح۔ جس طرح بھیر بگریاں
بکتی ہیں۔ ان کو دیکھا جالا اور ٹولا جاتا ہے۔ ان کے
دُبّلے اور موٹے ہونے کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اسی طرح
وہاں عورتوں کو اچھی طرح دیکھ بحال کر خریدا جاتا ہے۔
کہ اس میں کوئی نقص تو نہیں۔ وہ لنگڑی لوٹی تو نہیں۔
کے لیے چلے آتے کہ چیخ کیسی تھی۔"

"ان میں سے کسی کی ہو گی۔ مُذہ پر سے ٹیپ اُتریں۔ آنکھیں کیسی ہیں،

چونک کر ادھر ادھر دیکھا، لیکن کچھ نظر نہ آیا۔
"یہ کھٹکا کیسا تھا؟"

"میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ خان رحمن بولے۔"

میں اس وقت ایک فائر کی آواز گونجی۔ گولی ان کے

سروں پر سے گزد گئی۔ ساتھ ہی پکتان کی آواز سنائی دی۔

"تم لوگوں ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ دردہ ہمون کر رکھ۔

دیے جاؤ گے۔ اب جب کہ تم نے دیکھ لیا ہے۔ کہ

یہاں کیا ہے۔ تو ہم تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے،

لیکن ہم اس طرح ہمیں جہاز کی صفائی کرتا پڑے گے۔ اس

طرح ہمیں جہاز کی صفائی کرتا پڑے گے۔ لہذا تم لوگ

اوپر عرش پر چلو۔ چاند کی روشنی میں تم لوگوں کا قتل

ہو گا۔"

"ارے باپ رے۔" شوکی کانپ گیا۔

"بس! ڈر گئے۔ اگر اتنے ہی دلیر تھے تو پھر یہ کام کیوں

کیا۔ اپنے کمرے میں دیکھ رہتے ہیں۔"

"وہ۔ ہم نے ایک چیخ کی آواز سنی تھی۔ یہ جانتے

کے لیے چلے آتے کہ چیخ کیسی تھی۔"

"ان میں سے کسی کی ہو گی۔ مُذہ پر سے ٹیپ اُتریں۔ آنکھیں کیسی ہیں،

ہاں - جانوروں کے مقابلے میں ایک بات اُٹھیجی جاتی ہے۔

"کیا مطلب؟ خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"مطلب یہ کہ جانور تو موٹے پسند کیے جاتے ہیں نا، لیکن عورتیں دُبیلی پتکی۔ موٹی عورتوں کو کوئی لگاس بھی نہیں ڈالتا۔ لہذا ہم بھی موٹی عورتوں کو اغوا نہیں کرتے۔ یا ان کے دام نہیں لگاتے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ تم لوگ نہ صرف یہ کہ عورتوں

کو اغوا کرتے ہو۔ بلکہ ان کی خریداری بھی کرتے ہو؟"

"ہاں! ہمارے یگناگ سے باہر بھی کچھ لوگ کام کرتے ہیں۔ وہ صرف اغوا کر کے آگے فروخت کر دیتے ہیں۔ پکتان ہیں۔ اور یہیں۔"

"ہوں! یہ تو بہت گھناؤنا کاروبار ہے۔" انپکڑ جیش نے

بگارا منہ بنایا۔

"لیکن اس میں دولت بے تھا شہر ملتی ہے۔"

"ہوں۔ کیا ان عورتوں میں مختلف ملکوں کی عورتیں شامل ہیں یا صرف تھارے اپنے ملک کی؟"

"اپنے ملک کی عورتیں بھی ہم اغوا کرتے ہیں، لیکن کم۔ زیادہ تر تو دوسرے ملکوں کی ہوتی ہیں۔"

"اپنے ملک کی کم کیوں۔ یا تو بالکل اغوا نہ کرو۔" انھوں

نے کہا۔

"اس کی وجہ ہے۔ اپنے ملک کی کبھی بکھار بہت

وہ صورت کوئی ہاتھ لگ جائے۔ وہ بھی اس طرح کہ ہمارا کوئی سراغ نہ لگایا جا سکے تو کام کر گزرتے ہیں۔ ورنہ میں۔ اگر ہم زیادہ اپنے ملک سے اخوا کریں تو پھر یہاں ہرام پچ جائے گا۔ ساری حکومت حرکت میں آ جائے گی۔ اور ہمارا سراغ لگا کر چھوڑے گی، جب کہ دوسرے ملکوں کی عورتیں یہاں آتی ہیں تو پولیس کو پتا بھی نہیں چلتا۔ چل بھی جائے تو ان کے کافوں پر بھوں تک نہیں پہنچتی۔ یوں ہم پولیس کو بھی حصہ دیتے ہیں۔" پکتان نے کہا۔

"میں نے آج تک اس سے زیادہ گھناؤنا کام نہیں کیا۔ یوں تو بچھے اغوا کرنا بھی ایسا ہی کام ہے۔ اور اس کے برابر گاہی ہے۔ لیکن شاید یہ اس سے بھی کسی حد تک زیادہ گھناؤنا ہے۔ اللہ اپنا رحم فرمائے۔ انپکڑ کامران مرزا بولے۔

"لیکن۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔" محمود نے ایجن کے عالم میں کہا۔

"اور وہ کیا۔ جو سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس کا

مکول کے لوگ بھی خریداری کے لیے آتے ہیں؟
” بالکل آتے ہیں اور وہاں کی حکومت ان لڑکیوں کے
کاغذات بھی تیار کر کے ان لوگوں کو دیتی ہے۔ پکستان
نے کہا۔

” تم لوگ یہ کاروبار کب سے کر رہے ہو؟ ” اپکٹر
جیش نے پوچھا۔
” بہت عرصے سے۔ ”

” کاش ہیں پہلے پتا چل جاتا۔ ” آفتاب نے سرد آہ
بھرتے ہوئے کہا۔

” تو پھر۔ تم کی کریتے؟ ”

” تم لوگوں کو تھس نس کر دیتے۔ ”
آفتاب یکوں نہیں کر لیتے۔

” اب بھی کریں گے۔ بس تم دیکھتے جاؤ۔ ذرا عرش
پر چلو۔ ”

” عرش پر ہی تو جا رہے ہیں۔ تاکہ ہمارا جہاز
خراب نہ ہو۔ ”

” جہاز خراب نہ ہو۔ لیکن تم لوگوں کے خون سے۔ ”
اپکٹر جیش نے کہا۔

” شاید! تم لوگوں کا دماغ چل گیا ہے۔ اسے میاں، ”

جواب معلوم کر لو۔ ” پکستان مسکرا یا۔

” چنگاپور کی حکومت کو کیا ہوا؟ ”

” اس کو بہت ٹیکس ملتا ہے اس طرح۔ فی عورت
دس ہزار ڈالر۔ ”

” یا۔ تمہارا مطلب ہے۔ حکومت خود اس کاروبار
میں شریک ہے؟ ”

” بالکل۔ دُہ منڈی وہاں قانونی منڈی ہے۔ ”

” اسے باپ رے۔ اب بھلا ہم حکومت چنگاپور
کا بکار لیں گے۔ ” آصف نے بے خیالی میں کہا۔

” یا مطلب۔ تم کسی کا کچھ بگاڑنے کی پوزیشن میں بھی
ہو۔ ” پکستان چونکا۔

” پکستان صاحب۔ آپ کے حق میں بہتر یہ ہے کہ اس
جمماز کا رُخ موڑ لیں اور جدھر ہم کہتے ہیں، ادھر چلیں۔
ان سب لڑکیوں کو کھول دیں۔ انھیں کھانے پینے کو دیں،
نہ جانے یہ کب سے بھوکی ہیں۔ ”

” ہم انھیں بھوکا نہیں مارتے۔ اپنی نگرانی میں دو
وقت روٹی ضرور دیتے ہیں۔ ایسا نہ کریں تو یہ بیمار نظر
آئیں گی اور پسیے کم میں گے۔ ”

” اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ چنگاپور میں دوسرے

ہیں۔ اور یہ میرے دوست۔ جنگ کے ماہر خان رحمان
ہیں۔ یہ مشہور سائنس دان پروفیسر داؤڈ ہیں۔ یہ ہیں شوکی
بڑا درز۔ اگر یقین نہیں آتا تو۔ ہم اپنے کارڈ پیش کریں۔
انسپکٹر جحید نے کہا۔

"گرا دو بھئی رائفیں۔" اس نے مری مری آواز میں کہا۔

اسکے اس وقت ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ تم لوگ
ہماری زد پر ہو۔ کیا سمجھئے؟
"ہاں! سمجھے گئے ہیں، لیکن تم ہمیں نہیں جانتے۔ انہوں
نے کہا۔

"آخر کون ہوتا لوگ۔ پاک یونیورسٹی کے انسپکٹر جحید ہو کیا؟"
اس نے ضریبہ لجھے میں کہا۔

"ہاں! ہم وہی ہیں۔ تم نے بالکل چیلنج پھانسا۔"
"کیا۔ نہیں۔" اس نے چیخ کر کہا۔
پستول اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ آنکھیں حیرت اور خوف
سے پھیل گیئیں۔

فرزاد نے بلا کی تیزی سے پستول اٹھایا اور پکتان
کی کن پٹی پر رکھ دیا:

"اپنے ساتھیوں سے کھو۔ رائفیں پھینک دیں۔"
وہ دھک سے رہ گئے۔ چند سینکڑ میں یہ سب کچھ ہو
گیا تھا۔ اور اب ان کے رنگ اڑے اڑے نظر آ رہے
تھے۔ پکتان ہمکلایا:

"لک۔ کیا تم۔ واقعی۔"

"ہاں! میں انسپکٹر جحید ہوں۔ یہ محمود، فاروق اور فرزاد
ہیں۔ یہ انسپکٹر کامران مرزا ہیں۔ یہ آفیس، آصف اور فتح

”نہیں۔ عورتیں تو دنیا کے کسی بھی ملک میں سے،
کہیں سے بھی۔ مل جائیں۔ جس طرح مل جائیں۔ بس وہ
خوب صورت ہوں۔ وہ خرید لیتا ہے۔ یا اپنے گروہ
کی طرف سے قول کر لیتا ہے۔“

”تو کیا یہ جہاز اس کا ہے؟“

”ہاں۔ ایسے تو اس کے پاس لٹھنے ہی جہاز ہیں۔“
”اوہ؟ ان کے منہ سے بکھلا۔“

اب وہ پھلی منزل میں آگئے۔

”ان سب کمروں کے دروازے کھول ڈالو۔“

”یہ تم لوگ اپنے حتیٰ میں اچھا نہیں کر رہے۔ اس لیے
کہ پاس کو آخر حالات معلوم ہو، ہی جائیں گے اور سمندر میں
اپنا جنگل جہاز بیچ دے گا۔“

”ووچھر۔ کیا، ہو جاتے گا؟“ انپکٹر جشید بولے

”پھر تم کس کر سکو گے۔ ایک جنگلی جہاز کے مقابلے میں؟“

”دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو تم ان سب کو کھول ڈالو۔“

انھوں نے دروازے کھول دیے۔ عورتیں ہلنے جلتے
لگیں۔ بھیر بھریوں کی طرح بندھی پڑی تھیں۔ ان کے چھروں

پر بے چارگی کا ایسا عالم تھا کہ وہ کانپ آٹھے۔

”ان کے لاتھ پیر پہلے کھولو۔ ابھی منہ ذکھون۔“ انپکٹر

سمندری بھجو

خود وہ بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ اس بھم کا پانسہ
اس طرح بھی پلٹ سکتا ہے۔ اب تمام اسلام ان کے لائقوں
میں تھا۔ پکتان اور اس کے ساتھی ہاتھ اور اٹھاتے والیں
یچھے پلٹ رہے تھے۔

”کیا تم لوگ ہم لوگوں سے اچھی طرح واقف ہو؟“
”باس نے، میں صرف اور صرف تم لوگوں کے ساتھے سے
بھی دور رہنے کی پذیریت دی تھیں۔“

”اوہ تم لوگوں کا باس کون ہے؟“
”اس پوری تجارت کے یچھے اس کا دماغ کام کر رہا ہے،
تمام تر پروگرام وہ ترتیب دیتا ہے۔ اس کی اجازت کے
 بغیر ہم پر بھی نہیں رہ سکتے۔“

”کیا مطلب۔ کیا عورتیں بھی صرف وہ انھوں کی جاتی ہیں۔
جن کے بارے میں وہ کہتا ہے：“

جمشید بولے۔

"یہ کیوں انکل؟ آصف نے جیران ہو کر کہا۔

"اس طرح یہ پیختنے لگ جائیں گی۔ پہلے ان کے ہاتھ پر کھلوا یں۔ پھر میں انھیں ایک چھوٹا سایپھر دوں گا، ورنہ ان کی پیختنے پکار سے پریشان ہو گی۔"

"بہت خوب! خان رحمن بولے۔

ان کی ہدایت کے مطابق سب عورتوں کے ہاتھ پر کھول دیے گئے۔ وہ جیرت زده نظر آ رہی تھیں، کیونکہ کھولنے والے دوسروں کا حکم مان رہے تھے اور جو حکم تھے رہے تھے، ان کے ہاتھوں میں رانفیں یا پستول تھے۔ آخر تمام عورتوں کو بڑے ہال میں جمع کیا گیا۔ یہ تین سو کے قریب تھیں۔ اب انپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا:

"آپ لوگوں کو انداز کرنے والوں پر ہم نے قابو پایا ہے۔ اب ہم یہاں سے واپس روانہ ہوں گے۔ میرا پروگرام یہ ہے کہ پہلے میں آپ لوگوں کو اپنے ملک لے جاؤں۔ ڈھان سے آپ سب کو آپ کے گھر دیکھ پہنانے کے انتظامات کیے جا سکتے ہیں۔ میرا نام انپکٹر جمشید ہے۔ میرے

ان ساتھی کا نام انپکٹر کامران مرزا ہے۔ شاید آپ میں سے کچھ نے ہمارے نام سن رکھے ہوں گے، یہ میں اس لیے کہ رہا ہوں کہ آپ لوگوں کو اطمینان ہو جائے۔ آپ یقین کر لیں کہ آپ مصیبت سے بُنکل آتی ہیں اور اب ان شاء اللہ اپنے گھروں تک ضرور پہنچیں گی، یہاں آپ کو پوری طرح ہماری ہدایات پر عمل کرنا ہو گا۔ اگر یہ بات منظور ہے تو ہم آپ کے منہ کھولے دیتے ہیں۔" یہاں تک کہ کر انپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

انھوں نے زور زور سے سر ہلانا شروع کر دیے،

آخر انپکٹر جمشید پھر بولے:

دوسری بات یہ کہ منہ کھلتے ہی چیننا چلانا نہ شروع کر دیجیے گا۔ آپ سب پُر سکون رہیے۔ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑنے کی کوشش بھی نہ کریں۔ اس طرح حالات خراب ہو سکتے ہیں۔ حالات جو کہ اس وقت پوری طرح ہمارے قابو میں ہیں۔ آپ نے ہر بات اچھی طرح بکھر لی۔ ذہن نشین کر لی۔ وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔

انھوں نے زور زور سے سر ہلانا کہا کہ ہاں۔

بمحی گئیں۔

"کھول دو بھی ان کے منہ بھی۔"

اب ان کے منہ پر سے ٹیپ اتاری جانے لگی۔
ہدایات کے مطابق وہ خاموش ہی رہی۔ کسی نے ایک
لقطہ بھی منہ سے نہ نکالا۔ جب سب کی ٹیپ اٹر
گئی تو انپکٹر جمیش نے باقی سب سے کہا:
"اب ان لوگوں کو ان رسیوں سے باندھ دیں۔ جو
رسیاں فارغ ہوئی ہیں۔"

پکتان اور اس کے ساتھیوں کو رسیوں سے باندھا
جانے لگا۔ یہاں تک کہ وہ سب باندھ دیے گئے۔
ان کے ماتھے اور پاؤں پیچھے کی طرف ملا کر باندھے گئے
تھے۔ انھوں نے عورتوں کو بھی بالکل اسی طرح باندھ رکھا
تھا۔ لہذا اب وہ گڈا ہوتے پڑتے تھے۔

"ہم اب آپ سب کے نام اور پتے لکھیں گے۔ ہم
میں سے ہر ایک یہ کام کرے گا۔ تاکہ ہم جلد از جلد
فارغ ہو جائیں۔ اسے ہاں۔ خان رحمن۔ تم انہیں روم
کی طرف چلے جاؤ۔ ڈرائیور کے سر پر پستول رکھ دو۔
اس سے کھو۔ وہ ہمارے ہلک کی طرف رُخ موڑ دے۔
میر کی طنزہ دھیان رکھنا۔ سوئی کا رُخ تبدیل کرتا ہے۔

یا نہیں۔ تھیں تو بھری جہاز چلانے کا بھی کسی حد تک اندازہ
ہے؟ انپکٹر جمیش بولے۔

"ہاں! تم نظر نہ کرو۔ میں ابھی جا کر یہ کام کرتا ہوں۔
تم اپنا کام کرو۔ ہاں! پروفیر صاحب کو ساتھ لے جاؤ؟"
خان رحمن نے کہا۔

"ضرور کیوں نہیں؟"

"آئیے پروفیر صاحب۔"

دوں اوپر پہنچے اور سید ہے انہیں روم میں داخل ہو
گئے۔ ڈرائیور بالکل بے نظر تھا۔ اس نے پیچھے مرکر بھی
نہ دیکھا۔

"ہیلو مسٹر۔ پانہ پلٹ چکا ہے؟" خان رحمن سرد آواز
میں بولے۔ ساتھ ہی انھوں نے سمت بتانے والی سوئی
پر نظر جمادیں۔

"یا مطلب۔ پانہ پلٹ چکا ہے؟"

"ہاں۔ پانچے کا کیا ہے۔ اس کا کام، ہی پلٹ ہے۔"
خان رحمن نے فاروقی کے انداز میں کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"تمہارے تمام ساتھی۔ پکتان اور دوسرا۔ لوگ اس
وقت ہمارے قبضے میں ہیں۔ تمام رُذکیوں کو کھول دیا گیا

دات کے دو بجے کا۔

"کیا، ہم بده کو کسی وقت پہنچیں گے؟ انہوں نے پوچھا۔

"ہاں! بده کی صبح کو"

"بہت خوب! اب تم اپنے ہاتھ پیر بندھوا لو۔" انہوں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"اب ہم ہر وقت تم پر کس طرح نظر رکھ سکیں گے، لہذا بستری ہی ہے کہ تمہارے بھی ہاتھ پیر باندھ دیے جائیں۔"

"لیکن پھر جہاز کوں چلاتے گا؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"تم راستا تو اس پر نکس کریں چکے ہو۔ اب جو کام رکھ گیا ہے۔ وہ میں کرتا رہوں گا۔ اس حد تک مجھے بھری جہاز چلانا آتا ہے۔ پروفیسر صاحب! آپ اسے باندھ سکتے ہیں؟"

"نہیں بھتی تیر کام تم کرو۔ میں پستول ہاتھ میں لے لیتا ہوں۔"

"چلیے یونہی سی۔" اسے بھی باندھ دیا گیا۔

"اب آپ نیچے جا کر دیکھو آئیں۔ وہاں کیا حالات ہیں، اور ہاں! انہیں بتا دیجیے گا۔ اب ہم اپنے وطن کی طرف

ہے۔ تم نے پاک یونیورسٹی کا نام سنا ہے؟"

"ہاں! سنा ہے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"تم جہاز کا رُخ اس سمت میں موڑ دو۔ خبردار۔ اگر دھوکا ہوا تو تم ہرگز زندہ نہیں بچو گے۔ میری یہ بات نوٹ کریں۔"

"نہ۔ نہیں۔ میں دھوکا نہیں کروں گا۔" اس نے روز کر کہا۔

"تم جانتے ہو۔ جہاز کو کس سمت میں لے جانا ہوگا؟"

"ہاں! میں جانتا ہوں۔ ساری زندگی جہاز رانی کرنے گزر گئی۔"

"تو پھر موڑو رُخ۔"

سوئی کا رُخ مڑنے لگا، پھر ایک جگہ سوئی رک گئی۔

"اب اس کا رُخ ٹھیک آپ کے ٹیک کی طرف ہے۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب۔ ہم کتنے دنوں میں وہاں پہنچ جائیں گے؟" یہاں سے پانچ دن کا راستا ہے۔

"بہت خوب! اپنی گھری اتار کر مجھے دے دو۔"

اس نے گھری دے دی۔ انہوں نے دیکھا۔ اس وقت گھری پر سات تاریخ تھی۔ جمعے کا دن تھا اور وقت تھا

سفر کر رہے ہیں۔"

"بہت خوب آپوفیر بولے اور باہر نکل آتے۔

وہ پنج پنچھے تو بھی نام اور پتے لکھے جا رہے تھے۔

"اوپر سب ٹھیک ہو گیا اور اب ہم اپنے وطن کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا۔

"بہت خوب۔ ہم بھی بس فارغ ہونے ہی والے ہیں۔"

"تب میں بھی نام لکھنا شروع کر دوں؟"

"جی نہیں۔ آپ آرام کریں۔"

میں اس وقت ایک عورت ان کے سامنے آ گئی۔

"آپ کا نام؟"

اس نے جواب میں کچھ نہ کہا تو انپکڑ جمیش نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بیٹے قد کی سرخ و سفید رنگ کی عورت تھی۔

"آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیا آپ اپنا نام نہیں بتانا چاہتیں؟"

اس نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ گویا وہ اپنا نام نہیں بتانا چاہتی تھی۔

"پھر ہم آپ کو آپ کے گھر تک کس طرح پہنچائیں گے۔"

اچھا اپنا پتا بتا دیں۔"

اس نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"گویا آپ اپنا پتا بھی نہیں بتانا چاہتیں، خیر ملک کا نام بتا دیں۔"

اس مرتبہ بھی اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ اگر ملک کا نام بھی نہیں بتائیں گی تو ہم کس طرح آپ کو بھج یکیں گے۔ اوه سمجھا۔ آپ چاہتی ہیں۔ ہم آپ کو ساحل پر پہنچ کر چھوڑ دیں۔ آپ خود اپنے گھر تک پہنچ جائیں گے۔"

"نہیں۔" اس بار اس نے زبان کھوی۔

"شکر ہے۔ آپ کی آواز تو سنائی دی۔ ہم تو اب تک یہی سمجھتے رہے تھے کہ آپ گونگی ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر غلیک انداز میں مسکانی۔

"دیکھیے۔" ہم آپ کا نام پتا وغیرہ ہر چیز راز میں رکھیں گے۔"

"نہیں۔ میں آپ کے وطن پہنچ کر انھیں فون کر دوں گی۔ وہ خود آ کر مجھے لے جائیں گے۔"

"اوه اچھا۔ یونہی سہی۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

اچانک فرزاں زور سے اچھی۔
اب جہاز پر کوئی بچھو آگئی شاید۔ سمندری بچھو۔ آفتاب
نے منہ بنایا۔

"ارے باب دے۔ سمندری بچھو تو بہت خطرناک ہوتے
ہیں۔"

اخنوں نے فرزاں کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر
بلکہ یحربت نظر آ رہی تھی۔

"خیر تو ہے فرزاں؟" انپکٹر جمیش نے جیران ہو کر پوچھا۔
"آپ نے شاید ان کے نقوش پر غور نہیں کیا؟"
کیا مطلب؟
"ذرا وہ تصویر نکالیے۔"

"ارے۔ وہ تصویر۔ اس کو تو ہم بھول ہی گئے۔
تل۔ لیکن۔ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ
اس جہاز پر ہو سکتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے۔ یہ وہی ہیں۔"

انپکٹر جمیش نے فوراً تصویر جیب سے نکالی۔ سب
نے اس تصویر پر نظر ڈالی اور پھر اس عورت پر۔ دونوں
ملتی جلتی نظر آئیں۔

"تصویر میں اور ان کے چہرے میں نمایاں فرق ہے۔
پتا نہیں، یہ فرق کیوں ہے۔ خیر۔" انپکٹر جمیش نے

بڑھانے کے انداز میں کہا اور پھر تصویر اچانک اس کے سامنے کر دی۔

"یہ تصویر آپ کی ہے؟"

تصویر کو دیکھ کر وہ زور سے اچھلی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

"یہ۔ یہ تصویر۔ آپ کے پاس۔"

"تو یہ آپ کی ہے؟"

"ہاں! یہ میری تصویر ہے۔"

"لیکن آپ کے چہرے پر جو سیاہ تل ہے۔ وہ اس تصویر میں نہیں ہے۔ آپ کے بال اغروٹ کے رنگ کے ہیں۔ جب کہ تصویر والی عورت کے بال بالکل سنہری ہیں، دوسرے یہ کہ تصویر میں آنکھیں بالکل نیلی ہیں۔ اور آپ کی آنکھیں سُرمنی ہیں۔"

"اس کے باوجود یہ میری تصویر ہے۔"

"لیکن یکسے۔ کچھ پتا تو چلے۔"

"ابھی میں اس کی وضاحت نہیں کر دیں گی۔ پہلے آپ بتائیں کہ آپ کے پاس میری تصویر کس طرح ہے؟"

"ہم بھی ابھی اس کی وضاحت نہیں کریں گے۔ محمود خودا۔ بولا۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔ انکشٹ جھیڈ نے اس کی تائید کی۔

"ایجی بات ہے۔ آپ کی مرضی۔"

"کی آپ اپنے ملک، اپنے گھر جانا پسند کریں گی؟"

"اس سلسلے میں بھی بات بعد میں ہوگی۔"

"ہم سمجھے گئے۔ آپ سب کے سامنے کوئی بات نہیں کرنا چاہتیں۔"

"ہاں! یہی سمجھ لیں۔"

"ٹھیک ہے۔ پہلے ہم اپنے کام سے فارغ ہو لیں۔"

انھوں نے سب کے نام اور پتنے لکھ لیے۔ پھر کپتان اور اس کے ساتھیوں کو ان کمروں میں بند کر کے

تالے لگا دیے گئے۔ عورتوں کو اوپر لے آیا گیا۔

"آپ سب گھوٹیں پھریں۔ کھائیں پیں۔ اپنے اللہ کا شکر ادا کریں۔ چند دنوں تک آپ اپنے گھروں میں ہوں گے۔"

"آپ۔ انسان نہیں۔ فرشتہ ہیں۔"

فرشتہ کہ کہ میری شان نہ گھٹائیے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کہا ہے۔ فرشتے انسان سے اشرف نہیں ہیں۔ کوئی مخلوق بھی بشر سے افضل نہیں۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء بشر تھے۔ انسان تھے۔

”اور ہم یہ جانتے کے لیے کہ تصویر میں اور آپ کی
شکل صورت میں فرق کیوں ہے؟“

”یہ بات میں جانتی ہوں۔ وہ سکرائی۔“

”اور وہ بات ہم جانتے ہیں۔“ افتاب نے منہ بنایا۔
”تو پھر، ہم تبادلہ کر لیتے ہیں۔“ عورت بولی۔
”ہیں، منظور ہے۔“

”پسے میں بتائے دیتی ہوں۔ میں جب بھی اپنے گھر
سے یہ قوتفرم کے لیے نکلتی تھی۔ اور کسی ہٹ کی طرف
جاتی تھی۔ میک آپ کے نکلتی تھی۔“

”میک آپ۔ کیا مطلب۔ کیا آپ میک آپ میں ہیں؟“
”ہاں! یہ تل مصنوعی ہے۔ بال میں نے ایک لوش سے
رنگ ہوتے ہیں۔ جب تک میں ان کو پرست ہے دھو
نیں دوں گی، یہ اسی رنگ کے رہیں گے۔ اس رنگ کا
بنانے کے لیے اس لوش سے ان کو رنگنا پڑتا گا۔
اسی طرح میک آنکھوں میں ایک لوش ڈالتی ہوں۔ وہ لوش
ایک ہفتے تک میری آنکھوں کو بھورا رکھتا ہے۔
”لیکن آپ ایسا کیوں کرتی رہی ہیں؟“

”ہاں! یہ میرا شوق ہے۔ کہ جب میں محل سے باہر
ہوں تو کوئی مجھے دیکھنا سکے اور اگر دیکھ لے تو بھی
پہنچ سے اندھے، ہمارے حصہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہیں مانتے۔ جب کہ قرآن کریم
ان کے بشر ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔ اور فرق
یہ بیان ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دھی آتی تھی،
جب کہ غیر نبی پر دھی نہیں آتی۔“

”ان لوگوں کی عقل ماری گئی ہے۔ جو اب نیا کو بشر نہیں
مانتے۔“ انپکڑ جیہد نے کہا اور پھر ان خورقون کی طرف متوجہ
ہو گئے۔

”آپ سب ان کمروں میں رہیں گی۔ بلا ضرورت عرش
پر نہیں آئیں گی۔ حالات کا کچھ پتا نہیں۔ سندھ، ہمارے
لیے نبی جگہ ہے۔ خلیٰ پر ہوتے توبات اور تھی۔“
”آپ فکر نہ کریں۔ ہم تمام آپ کی ہدایات پر عمل
کریں گی۔“

”شکریہ۔ آپ ہمارے ساتھ آئیں۔“
”وہ تصویر والی عورت کو پکتان کے کمرے میں لے آئے،
سب لوگ کو سیوں پر بیٹھ گئے۔“

”آپ یہ جانتے کے لیے بے چین ہیں کہ آپ کی تصویر
ہمارے پاس کیوں ہے؟“

”ہاں! اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔“

وہ یہ نہ جان سکے کہ میں کون ہوں؟
”یعنی آپ کی شکل صورت تو آپ کے ملک میں
کوئی بھی نہیں جانتا۔“

”ہاں! اس کے باوجود میں اپنی اصل شکل کسی کو
دکھانا پسند نہیں کرتی۔“
”آپ اخواں کس طرح ہو گئیں؟“

”میں تو اپنے ہست میں تھی۔ اس کے بعد مجھے تو
جمانہ پر، ہی ہوش آیا تھا۔ کیا بتا سکتی ہوں؟“

”ہوں! ایک سوال میں بھی آپ سے کہنا چاہتا ہوں،
آپ کے اس ہست میں چڑیوں کا ایک پنجہ ہے۔ اس
میں ایک چڑیا کم پانی گئی۔ کیا آپ اس چڑیا کے بارے
میں کچھ بتا سکتی ہیں؟“ اس مرتبہ انپکٹر کامران مرزابولے۔
”نہیں!“ اس نے کہا۔

”ہوش میں آنے پر آپ نے اپنی کسی انگلی پر کوئی ہلکا
ساڑخم دیکھا تھا یا محسوس کیا تھا؟“
”نہیں۔“

”کیا کہا۔ نہیں۔“

”ہاں! میں نے نہیں دیکھا۔
”یعنی وہاں قالین پر خون کا دھمہ موجود تھا۔“

”وہ اخواں والوں کا بھی ہو سکتا ہے۔“

”اور آپ نے بتایا ہے کہ آپ ہست میں تھیں۔ ہوش

بل آنے پر آپ نے خود کو جمانہ پر پایا۔ اس کا مطلب

ہے۔ آپ نے اخواں کرنے والوں کو دیکھا تک نہیں۔“

”بالکل نہیں دیکھا۔“

”یعنی آپ کے ہست میں دھینگاشتی کے آثار تھے،
قالین ٹیڑھا تھا۔“

”میں اس بارے میں کیا کہ سکتی ہوں۔“

”ہوں خیر۔ اب آپ آرام کریں۔“

”جی کیا کہا۔ آرام کروں، یعنی ابھی آپ نے مجھے یہ

تو قوتبا تھا ہی نہیں میری تصوری آپ کے پاس کیوں ہے؟“

”آپ کو تلاش کرنے کا کام ہمیں سونپا گیا ہے، لہذا

تصویر ہمیں دی گئی۔“

”میرا خیال تھا کہ مجھے تلاش کرایا نہیں جائے گا۔ خود تلاش

کیا جائے گا؟“ اس نے بُرا سامنہ بتایا۔

”اس بارے میں ہم کیا کہ سکتے ہیں۔“ انپکٹر جمیں نے

کندھے اچکائے۔

”خیر۔ یہ بات بھی کمال کی ہے۔ آپ لوگوں نے مجھے

تلاش کریا۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

اور اس میں ہمارا کمال نہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی ہمراہیاں ہیں۔ اشFAQت نے فوراً کہا۔
”ہوں اچھا۔ اب میں آدم کرنے کے لیے جا سکتی ہوں۔ میری تمام اجھیں دُور ہو گئی ہیں۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”فرزاد! تم انھیں ان کا کمرہ دکھا دو۔“
”تو کیا یہ اس کمرے میں اگلی رہیں گی؟“ اس نے پوچھا۔
”نہیں۔ چند دسری عورتوں کے ساتھ۔“ وہ بولے۔
فرزاد اسے لے کر چلی گئی۔ اب وہ انہیں روم کی طرف متوجہ ہوتے۔ ڈرائیور خان رحان کے پاس بندھا پڑا تھا اور خان رحان اس کی نیٹ پر چوکس بیٹھے تھے۔
”اسے بھی نیچے پہنچا دیا جاتے؟“ انپکٹر کامران مرزا نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”ہاں! اس کی یہاں کی ضرورت۔“
”کہا توور کو بھی بند کر دیا گیا۔

”اب پورے جہاز پر ہمارا قبضہ ہے۔“ شوکی بولا۔
”نہیں، بلکہ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے۔“ اشFAQت نے فوراً کہا۔

اشFAQت نے بہت بہتر بات کی۔ بلکہ اس سے بہتر بات۔ اور ہو بھی نہیں سکتی۔ پروفیسر داؤد خوش ہو کر بولے۔
”اور یہ سطح بہبود ہمارے لیے شیطان کی آنت ثابت

اور اس میں ہمارا کمال کیا ہے۔“

”اللہ تعالیٰ۔“ اس کے منزے سے نکلا۔
”یکوں؟ کیا آپ مسلمان نہیں ہیں؟“
”ہمارا ملک مسلمانوں کا ملک ہی گن جاتا ہے، لیکن دہلی اللہ تعالیٰ کو بھی یاد نہیں کیا جاتا۔ تو وہاں تو وقت کے حاکم کو، ہی سب کچھ سمجھا جاتا ہے۔“

”آپ کا مطلب ہے۔ آپ کے شوہر کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے؟“ انپکٹر کامران مرزا مکارا تے۔

”آپ اس طرح کر لیں۔“ اس نے منزہ بنایا۔
”آپ نے قید کی زندگی کو کیسا محسوس کیا؟“

”میں لے کر اپنے ملک جائیں گے۔“

”ہاں! اعزیزوں رشتے داروں سے رابطہ قائم کیا جائے گا۔ ہر ایک کو ان کے گھر پہنچایا جائے گا۔ اور آپ کو بھی۔“

”اوہ آپ مجھے کس طرح پہنچائیں گے؟“
”آپ کو لینے والے خود آئیں گے۔“

ہم دونوں جاؤ اور یہ سوال اس سے پوچھ جاؤ: "اچھی بات ہے۔ دونوں ایک ساتھ بولیں اور چلیں۔ ملکہ کمرے کے فرش پر لیٹی ہوئی تھی۔

"یہ فرش آپ کو سخت تو لگ رہا ہو گا؟" "ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ مسکرانی۔"

"ہم آپ سے ایک سوال پوچھنے آتی ہیں۔" "پوچھیں۔ آپ تو میری محسن ہیں۔" اس نے با اخلاق انداز میں کہا۔

"اس بات کو چھوڑ دیے۔ اور یہ بتائیے۔ آپ کا تعلق کون سے ملک سے ہے؟"

"کیا مطلب؟ وہ زور سے چونکی۔ آپ حیران کیوں ہو گئیں؟"

"ایک طرف تو آپ لوگ کہتے ہیں کہ میرے شوہرنے میری تصویر آپس کو دی ہے، تاکہ آپ مجھے تلاش کر سکیں، دوسری طرف یہ پوچھ رہے ہیں کہ میرا تعلق کس ملک سے ہے۔"

"آپ کے شوہرنے، ہمیں خفیہ طریقے سے بلایا تھا۔ صرف آپ کی تصویر دی تھی۔ اپنا اصل چہرہ نہیں دکھایا تھا۔ نہ ملک کا نام بتایا۔"

ہو گا۔ ہمیں قریباً پانچ دن تک سمندر میں سفر کرنا ہے، تب کہیں جا کر ہم اپنے ملک کی صورت دیکھ سکیں گے۔" "ملک کی صورت" فاروق بڑھا۔

"یعنی یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا۔" آفتاب نے فرمایا۔

"اس کا مطلب ہے۔ یہ کیس ختم ہوا۔"

"ختم" کے بھی۔ ابھی تو، ہمیں اس سس غذہ کو تلاش کرنا ہے۔ جو اس سارے کاروبار کی پشت پر ہے۔ جو پوری دنیا سے عورتوں کو اغوا کرائے ان منڈیوں میں پہنچا دیا ہے۔" اسپکٹر جیشید بولے۔

"کیا آپ اندازہ لگا پکے ہیں کہ۔ اس ملکہ کا تعلق کون سے ملک سے ہے؟"

"ابھی تک نہیں۔ اور اس سے پوچھنا میں نے مناسب نہیں سمجھا۔"

"یعنی میرا خیال ہے۔ آپ کو اس سے یہ سوال کر دانا چاہیے۔"

"تو اب کر لیتے ہیں۔ فرزاد نے کہا، وہ ابھی آجھی ملکہ کو کمرے تک چھوڑ کر آتی تھی۔"

"سب کے جانے کی ضرورت نہیں۔ فرحت اور فرزاد۔"

"اوہ۔ اچھا۔ اب بات سمجھدیں آئی۔ میں بھی حیران تھی کہ انھوں نے خود تلاش کرنے کی بجائے یہ جرأت کس طرح کر دیا۔"

"اہ! یہی بات ہے۔"

"تب پھر آپ مجھ سے میرے ملک کا نام کیوں پوچھنا چاہتی ہیں۔ میری عزت اچھائی کے لیے، اس نے غرما کر کیا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ فرزانہ نے گھبرا کر کیا۔"

"تو پھر کیسی بات ہے؟"

"ہم صرف یہ جاننے کے چکر میں ہیں کہ یہ تجارت جو اتنے بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ اس کا مرکز کہاں ہے؟"

"یہیں مرکز معلوم کرنے کے لیے۔ میرے ملک کا نام معلوم کرنا کیوں ضروری ہے؟"

"بس ایسے ہی۔ فرحت نے جلدی سے کہا۔"

"میں نہیں بتا سکتی۔ اور اگر وہ مجھے یعنی زندگی، تب بھی نہیں بتاؤں گی۔ ساری زندگی آپ کے ملک میں کاٹ دوں گی۔"

"یہیں کیوں۔ اس صورت میں ہم آپ کو جانے کی

اجازت دے دیں گے۔ آپ جاسکیں گے۔
"ٹھیک ہے۔ میں ایسا کروں گی، لیکن آپ کو ملک کا نام نہیں بتاؤں گی۔"

"کوئی بات نہیں۔ فرزانہ بولی۔

اور پھر وہ دونوں والپس آگئیں۔

"ملک ہونے من یہ بتا رہے ہیں کہ یہ ملک کے ملک کا نام معلوم نہیں کر سکیں۔ فاروق نے ہنس کر کہا۔

"ایسے ہی سورما ہو تو تم معلوم کراؤ جا کر۔"

"ابا جان۔ اگر ہمیں اجازت دیں تو ابھی معلوم کر آتے ہیں۔ فاروق نے فوراً کہا۔

"لیکن تم نے اپنے نام کے ساتھ ہم کا لفظ کیوں بولا، کیا تم دو ہو؟"

"نہیں۔ ابا جان نے تم دو کو بھیجا تھا، لہذا خیال گزرا کہ مجھے اور آفاتب کو بھیجا جائے گا۔"

"تو پھر جاؤ۔ کھڑے من کیا دیکھ رہے ہو۔ انپکٹر کامران مرا نے ہنس کر انھیں اجازت دے دی۔

"ہم یہ گئے اور یہ آگئے۔ فاروق بولا۔

"بچھے۔ یہ تو آبھی گئے۔ ملک کا نام بتاؤ۔ فرزانہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

”بس بس۔ رہنے دو۔ ملک کا نام تو معلوم کرنا نیکیں،
اب دیکھنا ہم جا رہے ہیں：“

دوفون فوراً اس سمت میں چلنے لگئے۔ ملک نے انھیں
دیکھ کر پلکیں بچپکائیں:

”اب کیا بات ہے؟“

”آپ نے فرحت اور فرزاں کو اپنے ملک کا نام نہیں بتایا،
اچھا کیا۔ آپ یہ خیال نہ فرمائیے گا کہ ہم آپ سے یہ فرماں
نہیں کریں گے۔ قاروں نے شوخ آواز میں کہا۔

”کیا مطلب ایسی سمجھی نہیں؟“

”آپ ملک کا نام نہیں بتانا چاہتیں۔ شوق سے نہ
بتائیں۔ لیکن لکھ کر تو دے سکتی ہیں：“

”یہ کیا بات ہوتی۔“ ملک کا منہ بن گیا۔

”اس کے ساتھ بھی تو مشکل ہے۔“ آفتاب نے جھلک
کر کہا۔

”کیا مطلب۔ کیا مشکل ہے ان کے ساتھ؟“

”یہ جب بھی بات کرتا ہے۔ تو بات ہوتی نہیں：“

”کیا بکواس ہے۔ بات کی کیا جرأت کہ وہ نہ ہو۔ یہ
تو تم ہو۔ جو بات کے راستے میں روڑے اٹکا دیتے ہو۔“

”ہائیں ہائیں۔ یہ آپ دوفون کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔“